آمنہ کے لال کی خصوصیت

مولود شریف کی سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی اور ہو رہی ہیں مگر میری رائے میں مسلمان لڑکیوں کے واسطے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو رطب یابس سے بالکل پاک ہو۔ اور نہ صرف ان ہی کو مطمئن کر سکے بلکہ وہ اپنی مجلسوں میں غیر مسلموں کے سامنے بھی اپنے رسول کو پیش کر سکیں یہی وجہ ہے کہ تمام کتاب میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے یقین میں قیاس تامل کر سکے اور یہی حقیقت بھی ہے۔ استغاثے اور تشبیہ مصنف کا جائز حق ہو اس کو مبالغہ سمجھنا غلطی ہوگی۔

میں نے بارہا علمائے اسلام سے درخواست کی کہ وہ مولود شریف کی ایک ایسی کتاب لکھ دیں مگر انھوں نے اس طرف توجہ نہ فرمائی۔ اس لئے میں نے خود ہی قلم اٹھایا اور خدا کا شکر ہے کہ میں آج اپنی بچیوں کے اس قرض سے سبکدوش ہوتا ہوں۔

میں شاعر نہیں ہوں مگر میں نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں ایک مصرعہ بھی کسی دوسرے کا شامل نہ ہو۔ اس لئے یہ غلط سلط اور ٹوٹے پھوٹے اشعار محض میرے جذبات ہیں جن کو شاعری سے کوئی تعلق نہیں ایک بڑی حد تک وہ تمام باتیں جو ذکر ولادت سے تعلق رکھتی ہیں میں نے اس کتاب میں لانے کی سعی کی ہے "آمنہ کا لال" چونکہ سیرت نہیں ہے اس لئے معراج اور لڑائیوں کے حالات میں نے چھوڑ دیئے ہیں اگر زندگی ہے تو انشاء اللہ آئندہ یہ خدمت بھی کر سکوں۔

اس کتاب کے لکھنے سے بڑا مقصد یہی ہے کہ مسلمان لڑکیوں کو عید میلاد اور مجالس میلاد کے صحیح حالات معلوم ہو سکیں اور ڈنکے کی چوٹ وہ واقعات بیان کر سکیں جو سامع کے دل پر پورا پورا اثر کر سکیں۔ اس کے ساتھ ہی میری کوشش یہ بھی ہے کہ خود پڑھنے والے کا دل ان مبارک قدموں پر فدا ہونے کا آرزومند ہو اور اس کو معلوم ہو سکے جن کی پیدائش کا ذکر ہو رہا ہے حقیقتہً اس کا درجہ انسانوں میں کیا تھا۔

راشد الخیری

ضامین

مضامین	نمبر صفحہ	نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
...منہ کے لال کی خصوصیت	۳	۱۸	عبدالمطلب کی رحلت	۵۶
...یباچہ	۴	۱۹	سرکار دو عالم کا لڑکپن	۵۷
...مولود شریف	۹	۲۰	امین کا خطاب	۵۹
...حضرت ابراہیم کی دعا	۱۱	۲۱	بی بی خدیجہ کے ہاں ملازمت	۶۳
...عرب کی حالت	۱۳	۲۲	پہلی وحی کا نزول	۷۴
...حضرت ابراہیم کی دعا کا ظہور	۱۶	۲۳	ایک جید عیسائی عالم کی بشارت	۷۶
...رسول اللہ کا خاندان	۱۹	۲۴	حضرت عمر کا مسلمان ہونا	۷۹
...عبدالمطلب کی پیدائش	۲۰	۲۵	حضرت حمزہ کا اسلام	۸۱
...عبدالمطلب کی شادی	۲۲	۲۶	بی بی خدیجہ اور ابوطالب کا انتقال	۸۳
...عبداللہ کی شادی	۲۳	۲۷	ہجرت	
...عبداللہ کی موت	۲۳	۲۸	صدیق کی درخواست	۴
...حضور کی تشریف آوری	۲۵	۲۹	شیر خدا کی قربانی	۵
...اسلام	۲۷	۳۰	غار ثور کا رفیق	۶
...عالم شیر خوارگی	۳۹	۳۱	سراقہ کی دشمنی	۷
...منہ کا لال آغوش حلیمہ میں	۴۱	۳۲	سرور کائنات کے نکاح	۹۹
...منہ کا لال باپ کے مزار پہ	۵۲	۳۳	خلق عام	۱۰۷
...بی بی آمنہ کی وفات	۵۳	۳۴	عورت کی حمایت	۱۰۸
		۳۵	الوداع	۱۰۹

دیباچہ

مولود شریف کی مجلسیں

شاید بلکہ شاید نہیں یقیناً کوئی سمجھدار مسلمان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ قوم کی تباہی اور بربادی کے اسباب میں مولود شریف کی مجلسوں کا حصہ بھی کچھ کم نہیں جہاں اصل مقصد نہایت بے دردی سے فنا ہوتا ہے، اور جن مقدس ذات کے ساتھ یہ مجالس موسوم کی جاتی ہیں حقیقتاً اس کی توہین میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی۔ کتابیں غلط روایات جھوٹی حالات افسانوں اور بے تکی باتوں کا مجموعہ۔ مولود خواں ہیں، تو (باطن کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے) بظاہر جیب میں دیا سلائی، ہاتھ میں بیڑی منہ میں زردہ۔ صاحب خانہ ہیں، تو ان کی یہ کیفیت کہ واعظ چیخ رہا اور وہ مہمانوں کی خاطر میں مصروف اور مدارات میں منہمک سامعین کا یہ حال کہ اونگھ رہے ہیں اور جھوم رہے ہیں۔ المختصر مسلمانوں نے مولود شریف کو گڑیوں کا کھیل بنا دیا جیسے جی چاہا اور جس کا جی چاہا تھوڑے سے بتاشے منگوائے اور کسی الٹے سیدھے مولود خواں کو پکڑ کر خدا اور اس کے رسول پر احسان کے چھپر رکھ دیئے۔ مسلمان اگر غور کرتے، سوچتے اور سمجھتے کہ آج جس انسان کامل کی پاک زندگی کے حالات بیان کئے جا رہے ہیں اس کا احترام مخلوق نے کیا خالق نے کیا۔ جس کی صداقت کا ڈنکا، اس کی زندگی کے کارنامے آج چار دانگ عالم میں بجا رہے ہیں، تو مجلس میلاد کا خیال آتے ہی ان کے دل دہل جاتے ہیں اور وہ کہتے ہیں ؎

عطر و گلاب و مشک سے دھو کر زبان کو
گستاخ ہوں جو پھر بھی ترا نام لے سکیں!

مگر یہاں تو ذکر ولادت کے معنی دستوں کی کھیل ہیں۔ خواہ ثواب ہو یا عذاب

د شریف کی کتابیں

مصنفین اور مولفین ذکر ولادت کو مبالغہ
میں اگر حسن عقیدت سے کام لیا کہ وہ
بت کے جوش میں حقیقت سے متجاوز ہو گئے اور انھوں نے جو کچھ مبالغہ
پوری اور لاچاری سے۔ ان کا ایمان اور اعتقاد یہی تھا تو مولود خوانوں اور
میلاد کے منعقد کرنے والوں کی طرف سے کون سا عذر معقول ہو سکتا ہے
مقصد صرف دوسروں کو خوش کر دینا سمجھتے ہیں۔ پڑھنے والا چاہتا ہے
کہ سامعین جھوم جائیں، اور گھر والے کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ
کے طفیل یا مولوی صاحب کی بدولت نام بھی ہو اور داخل حسنات
ں۔ کیا مسلمان اس امر پر غور فرمائیں گے کہ جس سرزمین پر محبوب
عالمین کا ذکر کر رہے ہیں اور جس مکان میں پاک نام لیا جا رہا ہے
رگی کی کس قدر منزلیں طے کر چکا ہے۔ کیا خدا کا رسول جس پر
اللہ فخر کر رہی ہے اسی لائق ہے کہ بیڑی پیتے ذاکر کی گستاخ زبان اس
نام دہرائے؟ کیا فخر موجودات کے مقدس نام کو گستاخانہ
ہونٹوں پہ رکھنا۔ اسی قابل ہے کہ اس کی بے مثل صفات گزرگاہوں اور
بازاروں میں گونجیں، اور تمباکو پینے والے آقا کا نام
دھوئیں کے دھوؤں، اور چائے کے دور میں بلند ہو؟ ذاکر صاحب کی
لفظ ختم ہوا اور چہرہ پر مسکراہٹ، اور حقہ سامعین کے منہ لیا اور دہ
ریا سگریٹ!

ی کی انتہا اور نتیجہ

چمنستان اسلام کی اس اجڑی ہوئی کھیتی کو مسلمانوں
اپنے ہاتھ سے وادی پرخار بنا چکے ہیں
قدم اور بھی پیچیدہ ہے ان شاداب پھولوں پر جن کی بھینی بھینی خوشبو

اب بھی دماغوں کو مست کر رہی ہے اگر مبالغہ نہیں تو غلط عقیدت کا ایسا رنگ
چڑھا کہ اصلی رنگ قطعاً فنا ہو گیا اور صانع حقیقی کی وہ بہترین صنعت عالم
حیات کا حسین پھول اور فانی دنیا کا وہ کامل انسان جس کے سامنے بڑے
بڑے سرکش اور اچھے اچھے تاجدار جھک گئے ان عنایات کی بدولت جاہلیت
سے کوسوں دور جا پڑا۔ اور ملت اسلام کی وہ عروس جس کے حسین قدموں کو دنیا
نے آنکھوں سے لگایا اور جس کی ملاحت و نزاکت پر آج بھی تاریخ شاہد ہے ان
رنگ آمیزیوں کے طفیل اس آرائش و زیبائش سے جس کا سہرا قدرت کے مبارک
ہاتھوں کے سر ہے کلیتہً محروم ہو گئی۔ عروسی لباس پارہ پارہ ہو اور بیاد مست بہہ کے
چیتھڑے لگے اور جیسا غیر مسلم تہذیب، فلسفہ اور سائنس کی جھولیاں ڈالے نمودار ہوئے
یہ نادان دوست جنکے پاس لسانی کے سوا کوئی ہتھیار نہ تھا کہ بھی بچاؤ نہ کر سکے زمانہ
کی ضرورت اور وقت کے مطالبہ کو الٹی چھری سے ذبح کر کے کفر و الحاد کے نعرے
لگانے شروع کئے۔ اور چمن رسالت میں وہ موشگافیاں فرمائیں کہ گلابا کی جگہ کانٹے
رہ گئے۔ ضرورت تھی کہ اس بلبل خوش الحان کی نغمہ سنجی جو منبر مولود پہ جلوہ گر ہے نہ فقط
سامعین کا دل توڑ دیتی ہے بلکہ رستہ چلتوں کو مسخر کرتی مگر اس کا موسم بہار اپنے
جلوے مانڈے تک محدود تھا۔ خواہ خزاں کا ایک ہی جھونکا گلہائے رنگین کو تاراج
کردے۔ سرسبز و شاداب پودے اجڑ جائیں اور بلبل ہزار داستان کی
زمزمہ پردازیاں فاختہ کی کو سے بدل جائیں۔
عشق رسول کے مدعی کاش اتنا اور سمجھتے کہ جس کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں جس
محبت کا دعویٰ فرماتے ہیں یہ قیس کی لیلیٰ نہیں۔ رحمۃ للعالمین ہیں۔ مخلوق کا نہیں خالق
محبوب ہے اور یہ وہ درگاہ ہے جہاں ملاء اعلیٰ کی آبادی سربسجود ہے۔ جلیل القدر ملائکہ
بستہ ہیں اور جبرئیل جیسے مقتدر فرشتے اس حضور میں پر جل رہے ہیں۔

ا نصیب قوم کے افراد ہر میدان میں نور کلی نور نکلے ۔ علویت کا رخ کیا تو آسمان کے
توڑے اور اسفل کی طرف چلے تو پتال تک جا پہنچے ۔ بزم محبت میں داخل ہوئے
مرحلے میں جنت تک اسے نور کے طباق اتروائے اور آگے بڑھے تو حسن کی
ت کا قرآن گواہ ہے اسکو فوق الفطرت انسان بلا معشوق کا سراپا شاہد عاشق
ز کوئی ادا ادا نہیں کر سکتا ۔ قرآن نے اس کی ضرورت نہ سمجھی ۔ نور پیدا اس نے
ڈالی، فارس کی آگ کا تذکرہ اس لئے نہ کیا' ایوان کسریٰ کے کنگورے
نہ پہنچ سکے مگر مسلمان خدا کی خاموشی پر (نعوذ باللہ) کیوں چھپا رہتے نتیجہ یہ
حضور اکرم کے خلاف مغرب نے زہر اگلا ۔ اس کا بڑا حصہ مولود شریف کی کتابوں
لود خواں کی عنایت کا ممنون ہے اور ولیم میلپور کی تصنیف "لائف آف محمد" ایسا
ہے جس میں ہر مسلمان اپنا چہرہ بآسانی دیکھ سکتا ہے ۔

لود شریف کی مجلسوں سے انکار

پرواز خیال کی دوسری سمت کا منظر اور بھی دگرگوں ہے اور یہاں
استعجاب سے لبریز اور حیرت میں غرق ۔ اس جگہ ان چہ بداڑن کا سکہ ہے جو ذکر محبوب
جشنکر ہیں اور جن کے قلب سنگین یا دلداری کے روادار نہیں ۔ مجھے انکی خدمت
گستاخی کی ضرورت نہیں ۔ مگر عقل سلیم ان کے سلوک کو ظلم سے تعبیر کرے مختصر
بطرح ان ذی فہم حضرات نے رسالت کی توہین میں کسر کی اسی طرح
لشکروں نے نبوت کے سبک کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا' قدرت
فہم پر مسکراتی ہے اور رسالت ان کی فراست پر ہنستی ۔ ارض مقدس
ر در و دیوار اس وقت کے شاہد ہیں ۔ جب حسینہ مغرب کا قصر
میں نزول ہوا ۔ سنگ دل انسان اور آوارہ و بدکار گروہ
ے مسخر ہونے کے غیظ و غضب کی برہنہ تلواریں لے کر باہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(درود شریف بلند آواز سے پڑھو)

آج اس دربار کی حاضری ہے جس کے بوریہ نشیں شہنشاہ نے فقیروں کو بادشاہ بنادیا۔ جس کی مبارک زندگی انسانیت کی تفسیر کر گئی۔ جس کی چشمِ کرم اپنے بیگانوں کو مالا مال کر رہی تھی۔ جس کا دستِ شفقت یتیموں کا والی اور بے کسوں کا سہارا تھا اور جو دردمندوں کا مداوا اور بیچاروں کی تسکین تھا۔

دنیا کے بہترین انسان! تاریخ تیری پاک زندگی کو سجدہ کر رہی ہے۔ آسمان کا ہر گوشہ تیرے احسانات کو دہرا رہا ہے۔ اور زمین کا ہر ذرہ تیری ثنا خوانی کے گیت گلستانوں میں مہک رہے ہیں۔ کائنات تیرے نام کی تسبیح پڑھ رہی ہے۔ اور ملائکہ تیری خدمت میں درود بھیج رہے ہیں (درود تجھ پر اور تیری آل پر)

خاتم النبیینؐ صداقت تیرے دربار کی چیری تھی۔ رحم و کرم تیرے دست بستہ غلام تھے۔ انصاف نے تیرے قدم چومے۔ شجاعت تیرے پاؤں میں رہی۔ حاجت مند تیرے گھر سے اور نامراد تیرے در سے کامیاب گئے اور بامراد چلے۔ تیری مقدس زندگی نے ناپائیدار دنیا کو زندگی کے معنی بتا دیئے۔ روئے زمین کی مخلوق تیرے کرم کی معترف ہے اور آبادی کے ہر حصے سے تیرے کلمے کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ (درود تجھ پر

اور تیرے اہل بیت پر، خطاؤں سے درگذر کرنے والے رسول! عمر بھر کے روسیاہ ہوں کا تیرے جمال جہاں آرا سے بیڑا پار ہوا گناہوں سے لتھڑے ہوئے اور شرک سے بھرے ہوئے دل تیری ایک ہی جھلک سے پارس بن گئے۔ عبداللہ کے بندے تیرے مبارک قدموں کی بدولت زاغ و زغن کے پھندوں سے نکلکر توحید کی شاخوں پہ پہنچے، تیرے پاک نام کے رسیا تیری مقدس صورت کے پروانے، تیرے دربار کے غلام، تیری سرکار کے کفش بردار، تیرے کرم کے طفیل تیری محبت کے صدقہ میں۔ تیری عنایت کی بدولت اتنے ہو گئے کہ فقیری میں امارت کو گدائی میں شہنشاہی کو اور فاقہ میں تاج شاہی کو ٹھکرا دیا۔ دھتکار دیا اور لات مار دی۔

دنیا و دین کے حقیقی بادشاہ! طیبہ کی خاک میں آرام کرنے والے آقا ہر روز کا نکلنے والا آفتاب اور ہر رات کا طلوع ہونے والا قمر تیرے نام کا ڈنکا بجا رہا ہے۔ دن کی روشنی اور شب ماہ کی چادریں تیری رسالت کا اعتراف کرتی ہیں۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تیری زندگی پر مرحبا کے نعرے بلند کرتے ہیں۔ اور قمری کی کو کو اور بلبل کا نغمہ تیرے کرم دہراتا ہے۔

(درود تجھ پہ اور تیرے دادا ابراہیم پہ)

اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر دوسروں کا پیٹ بھرنے والے مولا! کلیجے کے ٹکڑوں کو بھوکا رکھ کر غیروں کو کھلا دینے والے آقا! دشمنوں سے محبت اور غیروں سے شفقت کرنیوالے مالک! تکلیف میں صبر اور اذیت میں شکر کرنے والے انسان! دکھ کو سکھ اور مصیبت کو راحت سمجھنے والے رسول! غلطی کی خطا سے درگذر اور گنہگار کو بخش دینے والے

پیمبر! مطلب کے پوتے آمنہ کے لال!
مادرِ گیتی جس کا ثانی پیدا نہ کر سکی تو — جس کی نظیر چشمِ فلک نہ دیکھ سکی۔
ارخانۂ حیات میں دنیا کے گورکھ دھندے میں بے مثل تھا اور بے نظیر تھا۔

رحم ہو ہم پہ ہمارے مولا   کرم ہو ہم پہ ہمارے آقا
قبول فرما درود آقا   ہمارے مولا ہمارے آقا

حضرت ابراہیمؑ کی دُعا

جب ارضِ حجاز کا ذرّہ ذرّہ شرک و بت پرستی میں چکنا چور تھا، اور
ئنات کا وہ اولوالعزم انسان جو ابراہیمؑ کے نام سے دنیا میں نمودار
وا، اپنی تکلیفوں کا بڑا حصہ ختم کرنے کے بعد زندگی کی اس منزل پر
پہنچا کہ آتشِ نمرود اس کے جلانے کے واسطے روشن ہوئی، تو ان
گوں کے سوا جن کے پتھر دل ابراہیمی خون کے پیاسے تھے فضائے حیات
میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ زمین رو رو کر آگ کے شعلے بلند کر رہی تھی، اور
سمان بلک بلک کر آنسوؤں کے قطرے گرا رہا تھا۔ مگر قدرت کا
رخ روشن آگ کی روشنی پر مسکرا رہا تھا اور معبودِ حقیقی کی لازوال
اقت نمرودی انگاروں میں چمک رہی تھی۔ بالآخر وہ نازک
ڑی آ پہنچی کہ آگ مظلوم ابراہیم کو اپنی آغوش میں لے کر خاک
کر دے۔ یہاں تک کہ ملاءِ اعلیٰ کی مخلوق بے کس ابراہیم کی حالت زار
پر سجدہ میں گر گئی مگر قدرت اپنے تماشے دکھانے پر مستعد تھی۔ یہ گریہ
زاری بے کار ہوئی اور جب نمرود حکم تعمیل کے قریب پہنچا، تو مظلوم خلیل

کے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھے اور ہونے لگی دہن ابراہیمی کے یہ سدا بہار پھول اپنے دامن میں بکھیرے۔

"الٰہی ان ہی میں سے ایک رسول پیدا کر دے جو ان کو تیری طرف بلائے۔ ان کی اصلاح کرے۔ اور سیدھا رستہ بتائے"

سلام سلام ہے اس ابراہیم پہ جو ہمارے واسطے ایک بیش بہا نعمت کی دعا کر گیا۔ اور درود درود اس رسول پہ جس نے پیدا ہو کر ہماری زندگی اور موت سنواردی اور دنیا و دیں درست کر دیا۔

اس پاک انسان کی دعا جو خلیل اللہ کی صورت میں خدا کا پیغام پہنچا کر فاک ہونے کے واسطے تیار تھا۔ درگاہ رب العزت میں قبول ہوئی۔ اور کائنات ایزدی میں اس وقت تک محفوظ رہی جب تک جسم انسانی میں اس کے ظہور کا وقت ہوا۔

یہی وہ دعا ہے جس نے نور محمدی کا لقب پایا۔ اور کسی جگہ خالق موجودات کی ہم نشینی کا خطاب حاصل کیا۔

ابراہیم کی دعا اس پھول کی طرح جو روز بروز ترقی کر رہا ہو سرمایہ خداوندی میں لہلہا کھل پھول رہی تھی۔ مخلوق الٰہی کی آنکھیں اس دعا پر لگی ہوئی تھیں اور دنیا کے کان اس مبارک وقت کے منتظر تھے۔ جب اس رسول کی خبر پیدائش پر وہ دنیا پر گونجے۔

عرب کی حالت

زمانے کے اوراق وقت کے ہاتھوں میں اڑتے پلٹتے رہے، رنگ بدلا
وقت گزرا، صدیاں بیتیں اور عمر کا مسافر کہیں کا کہیں پہنچا۔ ارض مقدس کی
راہی نے تیرگی و بدی کی تیز اٹھادی، خانۂ کعبہ بتوں سے پٹ گیا۔ خدا کی
بت نقش صفحۂ قلب سے مٹ چکی ہے۔ ہر سمت سے اور ہر جگہ سے ہر محلہ سے
ور ہر بازار سے شرک کی صدائیں بلند ہوئیں۔

عرب کی وہ سرزمین جو انبیاء کا گہوارہ تھی، جس نے بڑے بڑے
یل القدر پیغمبروں کے قدموں کو بوسہ دیا فتنوں کا شکار ہو گئی۔ قتل و
تگری کے بازار گرم ہیں۔ اخلاق انسانی کے شاداب پھول تباہ و
راج ہو چکے ہیں۔ اور دنیا اس نازک گھڑی سے ہم آغوش ہے
ں میں ظلم و ستم اور لوٹ مار شیوۂ انسانیت ہیں، طاقتور کمزور کو فنا
ر رہا ہے۔ دولت مند مفلسوں کو ڈسی، اختیار لاچار کو اور تندرست
یمار کو ستا رہا ہے۔ دبا رہا ہے اور مٹا رہا ہے۔ عورت لونڈی اور
لس غلام ہے۔ انسانیت کا پتہ ہے نہ آداب کا نشان، مروت
م۔ محبت فنا۔ حیا مفقود۔ شرم ندارد۔ الغرض زبردست
شہنشاہی، اور کمزور کی تباہی۔ قانون نہ قاعدہ۔ روک نہ ٹوک،
الت و بت پرستی کا ایک دریا ہے جو ملک کے ہر حصے میں موجزن ہے
دغرضی و نفس پروری کی گھٹا ہے کہ چاروں طرف چھائی
وئی ہے۔ عیاری و بدکاری کا ایک طوفان ہے کہ ہر سمت

سے امنڈا چلا آرہا ہے۔

عورت! ہائے عورت!! کیا مٹی پلید ہے کہ خدا دشمن کی بھی نہ کرے۔ لونڈی ہے جانور ہے، ذلیل ہے، حقیر ہے، کیسی عزت کہاں کی وقعت، کس کا ترکہ، کدھر کا ورثہ، مشورہ نہ صلاح۔ نکاح بیاہ مار پیٹ جائز اور ظلم و ستم مباح۔ یعقوبؑ و یوسفؑ کی پسینے والی زمین پہ جہاں خلوص و صداقت کے پھول مہک چکے تھے اب مکر و دغا کی نہریں جاری ہیں اور جبر و ریا کے کانٹوں سے انسانیت کا گلشن ایسا پٹا پڑا ہے کہ باد صبا بھی قدم دھرتی کانپتی ہے۔ ایمان کے قمقمے گل ہوئے انصاف کی ہوائیں، اور مظلوم عورت کی رگ رگ سے مرد کے ستم کی فریادیں بلند ہونے لگیں۔ معصوم بچیاں جیتی جاگتی اور ہنستی بولتی زمین کا پیوند ہو رہی ہیں، اور کوئی اتنا نہیں ہے کہ ان زندہ درگوروں کو خون بہا پر اُف بھی کر سکے۔ اندھے کنویں اور گہرے گڑھے ان بدنصیب چھوٹی زندہ ہڈیاں گود میں لئے ان کی بے کسی و لاچاری کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ جوان عورتیں جن کی عصمت کوئی وقعت نہیں رکھتی بے پناہ ہیں۔ بڑھیاں نوکروں اور ماماؤں کی خدمت انجام دے رہی ہیں، اور اِس سرے سے اُس سرے تک تمام عربستان مصائب کی پوسٹ اور آفات کا میدان بنا ہوا ہے۔

مظالم کی اس عالم گیر گھٹا سے جب انسانی خون کی دھواں دھار بارش شروع ہو گئی اور زمین کا ذرہ ذرہ اس میں غرق ہو گیا۔ تو دنیا اس ہولناک کیفیت سے چلا اٹھی۔ مگر وہ جان کنی میں تڑپ رہا تھا۔ غریب افلاس کی چھاؤں میں دم توڑ رہا تھا۔

...ندگی کی آخری سسکیاں غلام کے حلق سے نکل رہی تھیں، اور موت کی آرزو
...سب سے باہر آ رہی تھی۔

انصاف لٹ چکا تھا۔ ایمان مٹ چکا تھا
الطاف و مہر کیسی۔ رحم و کرم کہاں کا
مفلس کی تھی مصیبت کمزور پٹ رہا تھا
ظالم کے بیٹیں ہوئے اندھیر مچ رہا تھا
انسانیت کے جوہر کونوں میں رو رہے تھے
رحم و کرم کے پتلے قبروں میں سو رہے تھے!
الٹی چھری سے ذبح انسانیت ہو رہی تھی
نفسانیت شرارت گھٹی میں پڑ گئی تھی
عیاشی، بدمعاشی معمولی دل لگی تھی
دن رات کا جواں تھا ہر وقت مے کشی تھی
ظلم و ستم کے جھنڈے ہر سمت گڑ رہے تھے
حیوانیت کے پردے عقلوں پہ پڑ رہے تھے
مظلوم کی غلامی دوزخ کا تھا فسانہ
گردن پہ گرم لوہے کپڑا تھا اور نہ کھانا
بیدوں کی تھی گواہی بازو دست شانہ
اس ظلم پر تشدد اس کا تھا لب ہلانا

یہ زندگی کے دکھڑے یہ درد اور مصیبت
اور آنکھ کا اشارہ تھی زندگی کی قیمت
عورت کنیز بن کر دنیا میں جی رہی تھی
خون جگر کے قطرے خاموش پی رہی تھی
قدرت یہی سمجھ کر ہونٹوں کو سی رہی تھی
مردے سے تھی وہ بدتر کہنے کو جی رہی تھی
شکوہ اس طرح ہوا تھا آخر حرام اس کو
اور مرد جانتا تھا لونڈی غلام اس کو
اندھے کنویں بھرے تھے دامن کوہ و صحرا
شاہد ہیں اس ستم کے جو لڑکیوں پہ ٹوٹا
صورت کی بھولی بھالی باتوں کی جیسے مینا
زندہ وہ ہیں گڑھوں میں دم تک مگر نہ مارا
عورت کی ہر حقارت تھی مرد کو گوارا
گلے کا جانور تھی دانا تھا اور نہ چارا

حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ظہور

دنیا کی عمر جس وقت اس ساعت پہ پہنچی جب مظالم نے عقل و ہوش چکرا دیئے تو فرشتوں کی نظریں جو دعائے ابراہیمی کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھیں سجدہ میں گر پڑیں اور التجا و رحم کی صداؤں سے آسمانی دنیا گونج اٹھی

انسان کی دعا جس نے کلیجے کے ٹکڑے پر چھری پھیر کر عالم میں تہلکہ
ادیا، جس کی قربانی نے اس کو خلیلؑ بنادیا، نورانی لباس میں
ش اعظم پر خدائی کو جگمگا رہی تھی۔ قبولیت کا غلغلہ بلند ہو چکا تھا اور
سانی روحیں جانتی تھیں کہ کائنات سماوی کی یہ محبوب ترین شئے یہاں کے
چند روزہ مہمان ہے۔ آسمان و زمین کو پیدا کرنے والی ازلی و ابدی
ت جو جلوۂ ربانی کے نام سے مشہور ہے ہر روز اپنے خلیلؑ کی دعا کو اپنے
لوم ہاتھ سے سنوارتی اور صحیح دماغوں کو دکھاتی کہ خدائی طاقت کا یہ مثیلِ خلق
اہیت انسانی رونما ہوگا تو دنیا کو بتا دیگا کہ انسان کی پیدائش کا مقصود
ہے زندگی کی ہر شاخ اعمال کے ترو تازہ پھولوں کو بوسہ دے گی۔
صداقت دشمنوں کو قدموں میں گرالے گی خلوص کا ڈنکا چار دانگ عالم
بجے گا۔ پاک زندگی کے زرّیں کارنامے دنیا کے واسطے سبق ہوں گے۔
ئے حیات اس کے مقدس نام کو سر آنکھوں پر رکھنے کی عقل سلیم اس کے
منے ختم ہوگی زمین کے مظلوم قیدی جن پر آسمانی طاقت حکومت کر رہی
س کی بدولت ظلم و ستم سے رہائی پائیں گے اور اس کے مبارک ہاتھ قصر
ت کی ایسی بنیاد دیکھیں گے جن پر استقلال اور استحکام قربان ہوگا، اور
ئے دوام کے سدا پھول نثار ہوں گے۔
مظلوموں کی خاموش آہیں اور بیکسوں کے زبردست نالے عرش عظیم کو
سے تھے ملائکہ کی التجا آنسوؤں کے ساتھ جلوہ ایزدی میں حاضر ہوئی اور
مبارک ساعت قریب آئی جب ابراہیم خلیل اللہ کی اس دعا کا پردہ دنیا پر ظہور ہوا
"الٰہی ان ہی میں سے ایک رسول پیدا کر دے"
رگاہ خداوندی کا حکم ہوتے ہی دعائے ابراہیمی کے زمین پر جانے کی

تیاریاں شروع ہوئیں۔ فرشتوں نے قطار در قطار اس التجا کو رد در رد کر دو داغ کیا اور جب وہ لمحہ آگیا کہ خدا کے مقدس فرشتے ابراہیمی دعا کو دیتوی قانون کا لباس پہنا دیں تو ملائکہ خلیل اللہ کی فوج اس نور کو کلیجے سے لگائے خلیل کی دعا کو اس طرح دہراتی ہوئی دنیا کی طرف چلی۔

"الہیٰ ان ہی میں سے ایک رسول پیدا کر جو ان کو تیری طرف بلائے"

اشیائے مادی کے سروں پر گو فراق کی مصیبت سوار تھی۔ دل خون کے آنسو رو رہا تھا، مگر دنیا کے مظلوم اور مخلوق کی بے کسی و بے بسی نے زبان بند کر دی تھی اور خاموش آنکھوں کی در انتظار گھڑیوں میں اس کے سوا کوئی آواز نہ تھی۔

"الہیٰ ان ہی میں سے ایک رسول پیدا کر دے"

اب وہ دعا جس نے آسمانی آبادی کو بقعۂ نور بنایا تھا فرشتوں کے مقدس ہاتھوں میں زمین کی طرف چلی حدود انسانی میں داخل ہوئی اور آج ایک دفعہ خدا کے پاک بندے کی التجا آواز گونجی اور یہ غلغلہ بلند ہوا۔

"الہیٰ ان ہی میں سے ایک رسول پیدا کر دے"

زمین اپنے دور کے پھیرے کر رہی ہے اور آسمان بدستور چکر لگا رہا ہے۔ وقت اڑ رہا ہے اور خلیل اللہ کی دعا انسانی سینوں میں تبدیل ہوتی ہوئی لمحہ بہ لمحہ مقصود کی طرف جا رہی ہے۔ دنیا کی اخلاقی بربادی روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ ترقی پر ہے کمزوروں کے نالوں اور مظلوموں کی فریاد نے آسمان سر پہ اٹھا رکھا ہے۔ شرابیں، جوا، قتل اور خون۔ دغا اور مکر غرض نفس کی پتلیاں انسانی قلوب پر کھیل رہی ہیں۔ عدل و کرم ایمان و ایثار کا کوسوں پتہ نہیں، اور وقت وہ ہے جس کی انسانیت جواہیت کو مات کر رہی ہے۔

*

رسول اللہ کا خاندان

مکہ کا قریشی خاندان زندگی کی منزلیں سرگرمی سے طے کر رہا ہے، اور آج اس
خاندان کی باگ ایک شخص ہاشم کے ہاتھ میں ہے، یہ کعبہ کا متولی اور حج کے
موقع پر عمر کا حصہ ان پردیسی مہمانوں کی خدمت میں صرف کرتا ہے جو دور
دور سے کعبۃ اللہ کی زیارت کو آتے ہیں۔ نفسانیت اور خودسری نے ہاشم
کے بھائی امیہ کو انگاروں پر لٹا دیا ہے۔ رشک و حسد کی آگ سے کلیجہ
پھنکنا اور کھلم کھلا بغاوت شروع کر دی۔ امیہ اور ہاشم دونوں جڑواں بھائی
ہیں۔ ان کے باپ عبد مناف نے ان کو تلوار سے جدا کیا تھا، اور اندیشہ
تھا کہ دونوں میں سے ایک یا دونوں مر جائیں گے۔ مگر دونوں زندہ رہے
جوان ہوئے اور ایسی لڑائی ٹھنیں کہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو گئے
آخر ادھر ادھر کے چند آدمیوں نے مل کر فیصلہ کیا۔ ہاشم بدستور کعبہ کے
متولی رہے اور امیہ کو دیس نکالا ملا۔

...ا ایک طاقت ہے سوا جو اپنی قدرت کے کرشمے دیکھ اور دکھلا رہی ہے کسی
...نہ تھا کہ ابراہیم کی دعا انتہائے ظاہری کی منزل میں ہے۔ توریت۔ زبور
وہ مقدس کتابیں جو خدائی پیغام سمجھی جاتی ہیں کہ موسیٰ، داؤد، عیسیٰ کے
دل جیسا اپنی کوششوں میں پوری طرح کامیاب نہ ہوئے، اور
...ی انسان نے مایوس کر دیا تو خدا کے حضور میں جھک کر وہی الفاظ
...پہ لائے اور التجائے ابراہیمی سے ہمنوا ہوئے۔ مگر زندہ دنیا کا
...شخص ہر انسان اور کائنات کی روح اور ہر شے بے خبر تھی کہ قدرت کامل
...نی کی اندھیری فضا میں کون سا قمقمہ روشن کر رہی ہے، اور

چودھویں رات کا وہ چاند جو اس دنیا کو جگمگا دے گا اور سرزمین عرب کی وہ قندیل جو ایک عالم کو منور کر دے گی اور چمنستان حجاز کا وہ پھول جو جہاں کو مہکا دے گا، کہاں ہے کس گھر میں ہے اور کس انسان میں ہے۔

عبد مناف کے بیٹے ہاشم (جو خانہ خدا کی خدمت اور حجاج کی مہمان نوازی میں مصروف تھا) کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ قدرت میری زندگی سے کیا کام لینے والی ہے اور جھوٹے بتوں کے سچے خدا نے میرے سپرد کونسی خدمت کی ہے۔ میں اس امانت کا بار اٹھا رہا ہوں، جو ورثاً باپ دادا سے میرے پاس آرہی ہے اور ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی وہ دعائیں کو فرشتوں نے سینچا ہے۔ میرے جسد خاکی میں نشو ونما پا رہی ہے۔

عبدالمطلب کی پیدائش

خانہ کعبہ کے متولی ہاشم کا نکاح سلمیٰ سے ہو چکا اور اس واسطے کہ نکاح کی پہلی شرط یہ تھی کہ پہلوٹی کا بچہ خانہ لڑکی کے میکے میں ہو۔ سلمیٰ مکہ سے مدینہ آگئی اور اس کے پیٹ سے وہ بچہ پیدا ہو گیا، جو دنیا میں عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوا۔ مگر ہاشم اپنے بچہ کی بہار نہ دیکھ سکے اور ایک موقعہ پر حالت سفر میں بیت المقدس سے تھوڑی دور مقام غزا پہ بچہ کو یتیم، اور بیوی کو بیوہ چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا اور اس طرح عبدالمطلب کی پرورش ننھیال میں ہونے لگی۔

قانون قدرت کے موافق دنیا اور اس کے لینے والے آج بھی مستقبل سے بے خبر ہیں۔ عبدالمطلب کو معلوم نہیں کہ اس زندگی ایک دریا کا سرچشمہ ہوگی۔ جس کی موجیں عالم کو سیراب کر دیں گی۔ عرب کی تپتی ہوئی سرزمین

جہاں کوسوں پانی اور پتہ کا پتہ نہیں، لالہ زار ہوگی، اور اس کی گود سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کی شمع حیات پہ کائنات پروانہ وار نثار ہوگی۔ انسانیت اس کے نام پہ قربان ہوگی، اور ملائکہ اس کے نام پر درود پڑھیں گے۔

دعائے ابراہیم سینہ بہ سینہ
بدلتی ہوئی نام باپ اور ماں کا
دکھاتی ہوئی قدرت حق کا جلوہ
بتاتی ہوئی راز کھوٹے کھرے کا
خدائی کے قانون میں آرہی تھی!
سوئے آمنہ اب چلی جارہی تھی
اور قصیٰ اور ہاشم مناف اور شیبہ
رہا پشت میں جن کی یہ دُرِ یکتا
خوشا ان کی قسمت ہے اوج ان کا
سلام اس پہ جس کے تھے باپ دادا
بتوں کی خدائی کو ٹھکرا رہے تھے
خدا کی امانت کو پہنچا رہے تھے

* * *

عبدالمطلب کی شادی اور بیٹے کی قربانی کا واقعہ

جب عبدالمطلب کی عمر نے نورانی چہرہ پر جوانی کا تاج رکھا اور لڑکپن کی امنگیں ختم ہوئیں تو دستور کے موافق ان کی شادی کے پیام آنے لگے اور نکاح ہو گیا۔ کعبۃ اللہ کی خدمت اور مزاج کی صلاحیت ان کی غیر معمولی شہرت کا سبب ہوئی۔ کئی بچوں کی پیدائش کے بعد انھوں نے منت مانی کہ میرے ہاں اگر دس لڑکے پیدا ہوئے اور میری آنکھوں نے ان کی جوانی کی بہار دیکھ لی تو اپنے دادا ابراہیم کی منت ایک لڑکے کو خدا کے نام پر قربان کر کے ادا کروں گا۔ ان کے سب سے پیارے بیٹے کا نام عبداللہ تھا اور وہی سب سے چھوٹے تھے۔ قربانی کا منشا پورا کرنے کے واسطے باپ اپنے چہیتے کو چھپاتا اور شفقت پدری کے آنسوؤں میں جب ناتا آواز کو روک رہی تھی۔ اپنا خیال لڑکے پر ظاہر کیا، عبداللہ کی رگوں میں اس اسمٰعیلؑ کا خون دوڑ رہا تھا جس نے خدا کی راہ میں چھری کے سامنے گردن رکھ کر قربانی کی ایک مثال پیش کی جس کی یادگار آج تک مسلمانوں میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر منائی جا رہی ہے۔ باپ کا حکم سنتے ہی سعادت مند بیٹے نے گردن جھکا دی اور کہا بسم اللہ اس سے زیادہ اور کیا خوشی ہو سکتی ہے کہ آپ کے حکم کی تعمیل ہو، اور یہ فانی زندگی خدا کے واسطے قربان ہو جائے۔ عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے الفاظ سنتے ہی کلیجے سے لگا لیا، آبدار تلوار ہاتھ میں لی اور عبداللہ کو لے کر ذبح کرنے چلے۔

دنیا پر راج کرنے والی آسمانی حکومت باپ بیٹے کا معاملہ دیکھ رہی تھی۔ زمین مسکرا رہی تھی اور آسمان قہقہے لگا رہا تھا کہ زندگی سے بےخبر انسان کیا کر رہا ہے۔ عبدالمطلب کو خبر نہیں کہ جس بیٹے کو قربان کر رہا ہوں موت خود اس کی حفاظت کرے گی۔ یہ زندہ رہے

گا اور اس بچے کا باپ ہوگا جس کے مبارک ہاتھ قیصر و کسریٰ کی حکومت کا خاتمہ کرینگے اس کی مقدس زندگی پر وہ دنیا سے شرک و بت پرستی مٹا دیگی۔ عرب کی تحریں اسکے دربار میں سرنگوں ہونگی۔ اور دنیا کا ظلم اس کی سرکار میں رحم سے بدل جائے گا۔

وقت آگیا کہ زمین کعبہ عبدالمطلب کے لڑکے اور خاتم النبیین کے باپ عبداللہ کا خون اپنی گود میں لے۔ لڑکا زمین پر چت لیٹا ہوا ہے اور باپ نے اس کی گردن پر تلوار رکھ دی ہے۔ دفعتہً قریش کا مجمع غیظ چلا یا چیخا بیقرار ہوا اور کہا:۔

عبدالمطلب اگر تو نے عبداللہ کو ذبح کر دیا تو تیری قربانی قریش میں فرض ہو جائے گی اور ہر باپ کو اس پر عمل کرنا پڑیگا تو خانہ کعبہ کا متولی ہو تیرا فعل سند ہوگا اور ہم اپنے بچوں میں ایک ایسی رسم چھوڑ کر مرینگے جو انتہائی ظلم ہوگا تو اپنی منت کو اونٹوں سے بدل کر وعدہ پورا کر اور ہم کو اس رسم سے نجات دلا"

عزیزوں کے یہ الفاظ سن کر عبدالمطلب اٹھ کھڑے ہوئے اور سو اونٹ بچے کے بدلے قربان کر دیئے۔

عبداللہ کی شادی

جب عبداللہ کی خصوصیت شباب بدلی اور قریش کو معلوم ہوا کہ وہ حسن صورت و سیرت کے اعتبار سے عرب شان کی مالک ہے تو لڑکیاں اور ان کے والدین شادی کے آرزو مند ہوئے اسکا کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جسکی یہ خواہش نہ ہو کہ اپنی لڑکی عبداللہ کے نکاح میں دے مگر عبداللہ کی زبان پر قدرت نے اس وقت تک مہر رکھی جب تک عبد مناف کے لڑکے وہب کی بیٹی آمنہ کا پیام نہ آیا۔ بی بی کی بابت مشہور تھا کہ وہ سنجیدہ خاموش اور قانع لڑکی ہے۔ ہر حال میں صابر اور ہر دکھ میں شکر ادا کرتی ہیں۔ عبداللہ کی رضامندی پر ان کا نکاح وہب کی لڑکی آمنہ سے ہوا۔ اور دونوں میاں بیوی مدینہ میں رہنے سہنے لگے۔

برگزیدہ انسانوں کی خاموش التجا مستقبل سے بیخبر اور کھلے ہوئے الفاظ کا نتیجہ یہ وہ خفا میں
تھا دنیا کی بسنے والی مخلوق لاعلم تھی کہ وہ انسان جس نے دہکتی ہوئی آگ میں کھیلتے ہوئے
پھول دیکھے فانی بستی سے کس طرح رخصت ہوا اور اسکی دعا قبولیت کے کس حصہ میں ہے موسیٰ کا شوق
دل میں رہا داؤد کا ارمان پورا نہ ہوا اور عیسیٰ نے اپنی آرزو کے پورا ہونیکا وقت نہ دیکھا۔
مگر ابراہیمؑ کی تخم ریزی کو ان خواہشوں نے پانی دیا وقت آرہا تھا کہ نبیوں اور پیغمبروں
فرشتوں اور انسانوں کی امید کا لہلہاتا پھول دنیا میں ظہور کرے اور وہ انسان جس کی
تشریف آوری کا کائنات میں غلغلہ تھا دنیا کی تاریک فضا کو اپنے جمال سے منور کردے
دونوں دولھا دلہن عبداللہ اور آمنہ جن کے پیٹ سے دنیا اور دین کا دولھا پیدا ہونے
والا تھا ہنسی خوشی اپنا وقت گزار رہے تھے عبداللہ کی زندگی سے قدرت کو جو کام لینا
تھا وہ ختم ہوا۔ خدائی انتظام یہ تھا کہ عبداللہ کی زندگی اپنا فرض منصبی ادا کرنیکے بعد ختم
ہو۔ وہ آمنہ کو بیوہ چھوڑ کر اپنے بچے کے دیدار کو ترستا ہوا دنیا سے رخصت ہوا اور یہ
دونوں میاں بیوی جو انسان کامل کے ماں باپ بننے والے تھے کسی معمولی بچہ کی پیدائش کا سبب نہ ہوں۔

عبداللہ کی موت

بی بی آمنہ کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی امید کہ دو لوازم میں بجلی کی طرح دوڑ ہی۔ عبداللہ اور
عبداللہ کا باپ عبدالمطلب باغ باغ تھے اور تمام قریش ان کی اس مسرت میں برابر
کے شریک تھے یہاں تک کہ منتظم حقیقی کے انتظام کا وقت آپہنچا، اور اچھا بھلا عبداللہ
چند گھڑیوں میں چٹ پٹ ہو گیا۔ جوان بیٹے کی موت نے جو باپ کو سب سے زیادہ
عزیز تھا آنکھوں میں دنیا اندھیر اور شوہر کے فراق ابدی نے جو زندگی کا بہترین رفیق
تھا بی بی آمنہ کی زندگی وبال کر دی عبدالمطلب کا گھر ماتم کدہ بنا، قریش کی خوشیوں
پہ پانی پھیر دیا۔ اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ عبدالمطلب بچہ کی نشانی آمنہ

کو کلیجے سے لگائے اور اس وقت کا انتظار کرے جب جوان شیر کی یادگار دنیا میں ظاہر ہو اور یہ سہرے کا سہرا باپ کے بدلے دادا کا دل ٹھنڈا کرے۔ عبدالمطلب کی آنکھیں بیٹے کے فراق میں خون کے آنسو روتی تھیں اور بی بی آمنہ کا دل شوہر کے خیال میں مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا مگر دونوں کو پتہ نہ تھا کہ دادا کے گھر سے اور ماں کے پیٹ سے ایک ایسی نعمت کا ظہور ہونیوالا ہے جس کے قدموں میں دنیا اپنا سر رکھے گی اور خاندان قریش میں آمنہ کے پیٹ سے وہ لال پیدا ہوگا جس کی روشنی دنیا کو منور کر دیگی۔ وقت اپنے تیز پروں سے اڑا چلا جا رہا تھا عبدالمطلب کی گریہ و زاری اور بی بی آمنہ کا نالہ و فریاد اس کی پرواز کو نہ روک سکا تا آنکہ ربیع الاول کا چاند آسمان عرب پر نمودار ہوا۔

حضورؐ کی تشریف آوری

دنیا خواب غفلت میں پڑی سو رہی تھی، اور علم نہ تھا کہ اس مہینہ کا چاند اپنے ساتھ کیا لایا ہے۔ رات کے تارے اور دن کا آفتاب کائنات کو کیا پیام دے رہے ہیں اور آسمان و زمین ایک ایسے بچہ کی پیدائش کا نقارہ بجا رہے ہیں، جو عرب کے ساتھ تمام دنیا کی کایا پلٹ دیگا۔

چھٹی صدی عیسوی نے اپنی ستر منزلیں طے کر لی تھیں ۵۷۱ء کا موسم بہار شروع ہو چکا تھا۔ ربیع الاول کی آٹھویں اور اپریل کی چودھویں رات سرزمین عرب پر چھائی ہوئی تھی کہ عبدالمطلب کے کانوں میں ہوکے درد زہ کی خبر پہنچی اور آناً فاناً گھر اور اس کی چار دیواری عورتوں سے بھر گئی چلتے والے قدم آنیوالی بیبیوں اور جمع ہونے والی عورتوں کو کیا معلوم کہ ان کے دل کس بچہ کا استقبال کر رہے ہیں یہ بچہ جو باپ کی شفقت سے محروم ہوچکا قدرت کی محبوب ترین مخلوق ہوگا۔

اور ہم اس پہ سو جان سے قربان ہوں گے۔

رات کا دورہ ختم ہو چکا۔ آسمان نے کروٹ بدلی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے ریگستان عرب کو سرد کر دیا۔ طائران خوش الحان یتیم عبداللہ کی تشریف آوری کا مژدہ چہک چہک کر گانے لگے۔ صبح صادق نے رات کی سیاہی دور کی اور نور کی چادر ہر سمت پھیلا دی۔ روشنی اندھیرے پہ غالب آئی صبا اٹھکیلیوں میں مصروف ہوئی اور سرسبز درختوں کی ہری بھری شاخیں فرط مسرت سے جھوم جھوم کر آپس میں گلے ملنے لگے۔ آمنہ کے لال پہ تجلی کائنات نثار ہونے کو آ گئے پہنچی بار آور شاخوں نے ارض حجاز کو بوسہ دیا۔ نسیم نے ہزار جان سے قربان ہو کر بساط ارضی کو چوما۔ ہوا نے اس مقدس نام کی تسبیح پڑھی۔ خوش رنگ پھولوں نے مکہ کی خاک اپنی آنکھوں سے ملی اور ملک کا چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ اس مسرت میں لہلہاتی ہوئی کونپلوں کا ہم آہنگ ہوا۔ آسمان عرب نے عبدالمطلب کے گھر دار اس یوسف کے در و دیوار پہ روشنی کی بارش کی۔ چمکدار تارے عبداللہ کے لخت جگر پہ قربان ہوئے اور مخلوق فلکی نے شادمانی کا غلغلہ بلند کیا۔

آتش نمرود کے ذرات پھولوں کا لباس پہن کر زر و جواہر کی کشتی میں دعائے ابراہیمی کو سر پہ رکھے عبدالمطلب کے گھر پہ ضو دار ہوئے۔ دار ابن یوسف کی دیواریں تعظیم کو جھکیں۔ فرحت کی جھڑیاں برسیں۔ ہوا معطر ہوئی اور آسمان و زمین مبارک بادیوں کے نغموں میں سرگرم ہوئے۔

یہ بزم طرب اور خوشی کی گھڑی
مسرت کی ہر سو لگی ہے جھڑی
عقیدت سے یاں دست بستہ کھڑی

کہ آنکھ تجھ بن ہے سونی پڑی
فدا تجھ پہ سو بار صلِّ علیٰ

غلام اور تھوڑی سی یہ لونڈیاں
بصد عجز و منت ہیں حاضر یہاں
کرم ان پہ ہو اے شہِ مرسلاں
بنا ان کی محفل کو رشکِ جناں
شہِ دوجہاں! اپنا جلوہ دکھا

گنہگار آنکھوں میں طاقت نہیں!
یہ دو چار ہوں تجھ سے ہمت نہیں
ترے سامنے ہوں یہ جرأت نہیں
نگہ بھر کے دیکھیں یہ قدرت نہیں
شہِ دوسرا جلد آ جلد آ

دلِ مضطرب پر بڑی ہے بنی!
نظر آسماں پر ہے اس کی لگی!
یہ بزمِ کنیزاں ہے خالی پڑی
اسے جگمگا التجا ہے یہی!
سما جا ان آنکھوں میں آ جلد آ

زمین و زماں تجھ پہ قرباں ہو

ملائک سے ارفع تری شان ہو
تو دنیا میں بے مثل انسان ہو
خدا تیرا حافظ نگہبان ہو
فدا تجھ پہ جاں جلد آ جلد آ

حیات انسانی کی تاریخ ان واقعات سے محروم نہیں۔ جب قدرت کے زبردست ہاتھوں نے اپنی طاقت پہ فخر کیا ہے۔ صانع حقیقی نے اپنی صنعت کو سراہا اور احسن الخالقین نے اپنی خلقت پہ ناز کیا۔ آج کتاب زندگی کا یہ باب بند ہوتا ہے۔ اوصاف انسانیت ختم ہوتے ہیں اور آدمیت کی تمام صفتیں جمع ہو کر ایک ذات میں رونما ہوتی ہیں۔ رحم و کرم کی حسین دیویاں خلق و مروت کے تر و تازہ گلدستے ہاتھوں میں لیے عبداللہ کے گھر میں نمودار ہوئیں خلوص و صداقت کے کفش بردار چہرے راستی و ایثار کے جواہرات سے مزین ہو کر سامنے آئے، عبادت و ریاضت کے علمبردار شرک و بت پرستی کو تاراج کرتے ہوئے خانہ کعبہ پہ توحید کے جھنڈے گاڑنے لگے۔ آسمان فرط مسرت سے اچھل پڑا۔ زمین اپنی خوش نصیبی پہ فخر کرنے لگی اور وقت قریب آ گیا جب دنیا کے ہاتھ اس بچہ کو اپنی آغوش میں لیں جس کو روئے زمین کی اصلاح کرنی ہے۔ ارضی و سماوی کائنات کی نظریں اس جمال پہ پڑیں جو ایک عالم کو منور کرے گا اور وہ فخر موجودات ظہور پذیر ہوا جس کے مبارک قدموں میں سرکش گردنیں جھکیں گی اور عدل حقیقی اس کے پاؤں چومے گی۔

آمنہ کے لال! تیری پیدائش ایک نعمت ہے جو خدا ہم کو عطا فرما

رہا ہے تیرا مبارک وجود جس نے کارخانۂ حیات کو زیر وزبر کر دیا۔ تیری مقدس ہستی جس نے دنیا کی تاریکی میں تہلکہ مچا دیا۔ قدرتی انعام تھا عبداللہ کے یتیم! تو انسانیت کا سرتاج تھا، جو ہم کو آدمیت کے معنی بتا گیا۔ تیری زندگی جس نے عدل نوشیروانی کو شکست دی، اور عرب کی سنگلاخ زمین پر خلق و مروت کے دریا بہا دیئے۔ عطیہ خداوندی تھا۔ دنیا کو روشن کر دینے والے چاند شیر و بکری کو ایک گھاٹ پانی پلا دینے والے بادشاہ! بڑھیا بھکارن کی صدا پر لبیک کہنے والے آقا!! یتیم کے زخموں پر مرہم رکھنے والے طبیب! بیوہ کے داغوں کو پھول بنا دینے والے باغبان! تو نے دکھایا اور ہم نے دیکھا کہ کس طرح ایک انسان بغیر کسی فوج اور لشکر کے لاتعداد دلوں پر حکومت کر سکتا ہے۔ عرب کی جہالت کو مٹا دینے والے نور! عالم کے اندھیرے کو روشن کر دینے والے چراغ! بتوں کو ڈھانے اور شرک کو مٹا دینے والے نور! عالم کے اندھیرے کو روشن کر دینے والے چراغ! بتوں کو ڈھانے اور شرک کو مٹانے والے رسول! تو نے سنایا اور ہم نے سنا، تو نے زبان سے فرمایا اور ہم نے آنکھ سے دیکھا کہ ایک تن واحد کی صداقت گروہ اور جماعت تک اور عالم کے مقابلے میں کیونکر کامیاب ہو سکتی ہے۔ تیرے کرم نے اندھے کی آنکھوں میں لہریں لیں۔ تیرے رحم نے اپا ہج کے دل میں رحم کیا۔ تیرے خلق نے جانی دشمن کی عداوت ختم کی اور تیری خدا بینی نے غیر کو عزیز بنا دیا۔

رسالت کے نزول جہتان میں خالق حقیقی نے نبوت کا تاج تیرے

تیرے سر پہ رکھا اور دنیا کی محدود آبادی میں دشمن تیری صداقت پہ اور اغیار تیری امانت پہ قربان ہوئے۔ صداقت کے مجسم پتلے! ایثار کے کامل انسان تو نے دنیا کے ہر گوشے کو اپنی روشنی سے چمکایا، آمنہ کے لال اور عبداللہ کے یتیم تو نے عالم میں اپنی انسانیت کا ڈنکا بجا دیا۔

آپ ظہور فرما تشریف لا

آمنہ کی گود میں — عبدالمطلب کے گھر میں — ہماری آنکھوں میں

خدا کے حضور میں التجا

آج جب کہ کلمہ توحید کے پڑھنے والی چند انسانی ہستیاں کنبوں کی صورت میں کچھ اور تھوڑے سے مرد غلاموں کی ہیئت میں اس غرض سے اور اس مقصد سے اس مجلس میں حاضر اور جمع ہوئے ہیں کہ دنیا کی اس مبارک گھڑی کی یاد تازہ کریں جب مادر گیتی کے پیٹ سے دونوں جہان کا بادشاہ پیدا ہوا اور قدرت نے عبدالمطلب کی بہو آمنہ کی گود کو اس نعمت سے مالا مال کیا، جس نے دنیا کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ ضرورت اور اشد ضرورت ہے کہ سب سے پہلے ہماری سیاہ پیشانیاں اور گنہگار گردنیں اس خالق موجودات کے حضور میں جھکا کر شکر ادا کریں جس نے اپنے فضل و کرم سے انسانیت کی اجڑی ہوئی کھیتی لہلہا دی اور انسانی صورت میں وہ انعام عطا فرمایا جو ہم جیسے گنہگاروں کو منزل مقصود پہ پہنچا گیا جس کی پاک زندگی ہمارے واسطے ایک شاہراہ چھوڑ گئی جس کے مقدس ہاتھ ہمارے واسطے قصر اسلام کی ایک ایسی بنیاد رکھ گئے جہاں کے رہنے والے آج بھی راج کر رہے ہیں۔

زندگی اور موت کے مالک ابراہیم کی التجا کو سننے والے بادشاہ! عرب

کی زمین سے بلکہ کی خاک سے مطلب کے گھر سے آمنہ کے پیٹ سے نور پیدا کرنے والے آگ میں ابراہیمؑ کی چھری کی دھار میں اسمٰعیلؑ کی قید زندان میں یوسفؑ کی اندھی آنکھوں میں یعقوبؑ کی پکار پہ پہنچنے والے آقا! آج اس مبارک ساعت میں جب عید میلاد اور اس کی پیدائش کا وقت ہے جو تیرا حبیب اور رحمت کا نور ہے۔ ہماری فریاد سن ہماری التجا منظور فرما اور ہماری دعا قبول کر۔

حکیم علی الاطلاق! گنہگار ہیں رحم کر۔ احکم الحاکمین! مجرم ہیں درگزر کر۔ خالق! رو سیاہ ہیں معاف کر۔ کس منہ سے کس دل سے۔ کس زبان سے التجا کریں۔ ہم کو نہ دیکھ۔ ہمارے اعمال کو نہ پرکھ۔ ہمارے افعال کو نہ جانچ۔ دیکھ اپنے کرم کو! کریم ہے۔ نظر ڈال اپنے رحم پہ رحیم تو! اور معاف کر ہمارے گناہوں کو۔ علیم الحکیم ہے!

نار نمرود کے آسمانی شعلوں کو گلزار بنانے والا تو تھا۔ بچھڑے ہوئے یوسفؑ کو اندھے باپ کے سینے سے چمٹا دینے والی قدرت تیری تھی۔ آبدار چھری کی دھار سے اسمٰعیلؑ کو زندہ بچانے والا تو تھا۔ نوحؑ کی کشتی کو قیامت خیز طوفان میں کنارے پہ پہنچانے والی طاقت تیری تھی۔ صدقہ نوحؑ کی دعا کا واسطہ ان آنسوؤں کا جو یعقوبؑ کی آنکھ سے یوسفؑ کے فراق میں گرے۔ اور طفیل اس باپ کا جو پہاڑ کی چوٹی پہ کلیجے کے ٹکڑے کو تیری راہ میں ذبح کر رہا تھا۔ ہماری دعا قبول کر۔ ہماری مرادیں بر لا۔ اور ہماری فریاد سن!

عفو الرحیم! گنہگار بندے نادم و شرمسار تیرے حضور میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری زندگیاں گندی۔ ہماری آنکھیں اندھی۔ ہمارے دل کھوٹے۔ ہمارے منہ چھوٹے۔ تیری ذات ارفع۔ تیری شان اعلیٰ۔ تیرا کام کرم۔ تیرا شیوہ رحم! دکھا اپنی قدرت کے کرشمے۔ اور قبول کر ہماری دعا۔ ظاہر کر اپنی شان کریمی، اور سن ہماری التجا۔

رب العالمین! دل کو ہمت دے۔ جسم کو طاقت دے۔ دعا کو اثر دے
التجا کو قبولیت۔ بچوں کی زندگی۔ عزیزوں کو خوشی۔ رزق میں برکت۔ حوصلہ
میں جرأت۔ قلب کو اطمینان۔ مشکل کو آسان۔ مقاصد کی تکمیل
آفات کی تسہیل۔ مرنے والوں کی مغفرت۔ بیماروں کی صحت۔ خیر سب
کی خیر دوست ہوں یا دشمن، اپنے ہو یا غیر۔

معصوم بچے گڑگڑا گڑگڑا کر، توتلی زبان میں تتلا تتلا کر تیرے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔ تیری سرکار میں ملتجی ہیں۔ صدقہ اس بچے کا جو آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ طفیل اس کا جس نے حلیمہ کا دودھ پیا۔ اور واسطہ اس کا جو عبدالمطلب کی گود میں کھیلا۔ ان بچوں کی فریاد سن، ان کی دعا قبول کر۔ ان کی عمروں میں ترقی دے، مقدر میں اقبال دے۔ دولت سے خوشحال کر، علم سے مالا مال کر۔ نافرمان لونڈیاں بصد ادب ہاتھ جوڑے اور سر جھکائے اپنی آرزوئیں لیکر اپنی مرادوں کیلیا تھا اس وقت کہ مجلس میلاد اس کی ہے جسکی تو نے سنی۔ ذکر اس کا ہے جو تیرا محبوب تھا، اور وقت پیدائش اس کا جو پوشیدہ تھا۔ ابراہیمؑ کی زبان میں، اور نوحؑ کے طوفان میں سربسجود رہا۔ بر لا انکی مرادیں، اور سن ان کی فریادیں۔ مولائے کریم! انکے سہاگ قائم رکھ۔ انکے راج رہتی دنیا تک سرسبز رکھ دے ان کے شوہروں کو۔ عمر دے انکے بچوں کو۔ برکت دے رزق میں سلوک دے میاں بیوی میں۔ محبت دے بہن بھائی میں۔ صحت دے بیماروں کو۔ رہائی دے گرفتاروں کو۔ توفیق دے عبادت کی۔ شوق دے علم کا۔ پورے کر ارمان۔ خاتمہ بالخیر۔

طائران حرم نے چہچہا کے رات کی خاموشی کو وداع کیا۔ زیتون کی بار آور شاخیں قہقہوں میں مصروف ہوئیں۔ نور کی ٹھنڈی صبا کی گود میں دنیا کے اس نئے مہمان کی آمد کا اعلان

درود ہو تجھ پہ اے آقا محمد مصطفیٰ آجا

بچھے ہیں جال نفرت کے محبت ہے نہ الفت ہے
دکھا نقشہ صداقت کا محمد مصطفیٰ آجا

بتوں کی اب خدائی ہے خودی دل پہ چھائی ہے
بجا توحید کا ڈنکا محمد مصطفیٰ آجا

زبوں و خوار ہے عورت نہ وقعت ہے نہ عزت ہے
بڑھا دے مرتبہ اس کا محمد مصطفیٰ آجا

بُری گت ہے یتیموں کی غلامی کی سی حالت ہے
مٹا دے نام شقاوت کا محمد مصطفیٰ آجا

رافت کا نام ہے تیرا محمد نام ہے تیرا
خدا کا واسطہ مولا محمد مصطفیٰ آجا

چادر شب قریب قریب چاک ہو چکی تھی اور شہسوار مشرق اپنی پوری حیثیت کے ساتھ یتیم عبداللہ کی پابوسی کو آگے بڑھ رہا تھا کہ بی بی آمنہ کے پہلو میں اس بچے کے رونے کی آواز بلند ہوئی جس پہ دنیا کے تخت قربان تھے۔ فضائے آسمانی کی تاریکی نور سے بدلی، رات نے دن کا لباس پہنا اور آسمان نے زمین کے کان میں مبارکباد دی۔ مکے کے خوش الحان طائر مصروف نغمہ سنجی تھے قریش کی عورتیں لڑکے کی پیدائش پہ باغ باغ ہوئیں عبدالمطلب نہال نہال تھے۔ اور آمنہ بی بی کی باچھیں کھل رہی تھیں۔

دنیائے ناپائیدار کا وہ بہترین انسان جو زندگی کی روح اور انسانیت کی جان تھا ظہور فرما چکا۔ جس کی پیدائش پر مبارک سلامت کی دھوم دھام فرش سے عرش تک بلند ہو رہی ہے۔ آمنہ بی بی کے کلیجے سے لگا ہوا ہے وہ نور کی پتلی روشنی

کا نقشہ جس کی چمک نے عالم میں پھیلی دنیا میں تشریف لے آیا۔ تخیل کی گلکاری کا تماشا
کہ اس پھول پر بصد شوق قربان ہو رہی ہے۔ صحت دماغ اور سلامتی عقل آنکھیں
بند کر کے یتیم عبداللہ کے استقبال کو آگے بڑھی ہے اور بعجز و ادب ہاتھ جوڑ کر
اور سر جھکا کر درود و سلام کا حقیر ہدیہ ان الفاظ میں پیش کرتی ہے۔

"بزم میلاد کے دولہا! دل اور جان دونوں تجھ پر سے قربان۔ عمر اسی در پر
ختم ہو رہی ہو کہ زندگی پڑا ہو اور تیرے نام پر نثار۔ لاریب تو انسان تھا مگر کیسا۔
ملائکہ تو بشر تھا لیکن رحیم۔ تو نے بندہ بن کر دنیا میں خدائی اور فرش پر بیٹھ کر
عرش پر حکومت کی۔ تو خاک نشین تھا مگر تو نے شہنشاہ بنا دیئے۔ تو بیکس تھا
لیکن دنیا تجھ پر ایمان لائی۔ آمنہ کے لال! آسمان وہ ساعت بھول نہیں سکتا
جب دنیا کا ہر ذرہ تیرا دشمن تھا مگر تیری دستگیری نے تجھ کو اپنا بنا لیا۔ جانی دشمن اور خون کے پیاسے
تیرے سر کے خواستگار تیرا کلمہ پڑھنے لگے۔ خالد جیسے بہادر کی گردن تیرے سامنے خم ہوئی
اور عمر جیسے مخالف تیرے قدم چومے۔ دنیا کی تاریخ تیرے سامنے ششدر اور تیری
زندگی دنیا کے واسطے [illegible] کا نقش تیرے نقش پر گامزن ہوا اور وقت
راستی کا تاج سر پر رکھے۔ دشمن تیرے شیدا ہوں اور اغیار تیرا کلمہ پڑھیں۔ صداقت تیرے
گھر سے اور امانت تیرے در سے۔ ایثار تیرے دربار کا۔ اور تہذیب تیری سرکار کی [illegible]
تیری بارگاہ سے۔ اور حقیقت تیری ذات سے پیدا اور نمودار ہو۔

رسالت کے معنی تو نے بتائے۔ نبوت کی تفسیر تو نے کی۔ انسانیت کا دفتر
تو نے کھولا۔ اور بندگی کا راز تو نے بتایا۔ محبوبیت کا مرحلہ تیری شان تھی۔
اور توحید کا ڈنکا تیری زبان۔ آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بادشاہ!
ہم لونڈی غلاموں کا سلام قبول فرما۔ چمنستان تخیل کو اپنے رحم کے ترشحات سے
کر۔ ہمارا حقیر ہدیہ منظور کر۔ اپنے کرم سے اور اپنے رحم سے"

زباں احسان اخلاقی کہاں تک پھر گنوائے ‌ ‌ بکھیرے ہیں جو تو نے پھول کیا ان کو چنوائے
تمہارے احسان کا دنیا میں بدلا ہو تو اتنا ہو ‌ ‌ کہ ذکر خیر اپنا خود سنے اوروں کو سنوائے
درود ہے تجھ پہ اے مولا سلام ہے تجھ پہ اے آقا

(ذکر ولادت ختم ہوا)

سلام

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی
سلام اے ظل رحمانی سلام اے نور یزدانی
ترا نقش قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی
سلام اے سر وحدت اے سراج بزم ایمانی
تجھے ہے عزت افزائی تجھے ہے تشریف ارزانی
ترے آنے سے رونق آ گئی گلزار ہستی میں
شریک حال قسمت ہو گیا پھر فضل ربانی
سلام اے صاحب خلق عظیم انساں کو سکھلا دو
یہی اعمال پاکیزہ یہی اشغال روحانی

تری صورت تری سیرت ترا نقشا ترا جلوہ
تبسم گفتگو بندہ نوازی خندہ پیشانی

اگرچہ فقر فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فر کسرائی و خاقانی

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

زمیں کا گوشہ گوشہ نور سے معمور ہو جائے
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرہ کو تابانی

حفیظ بے نوا بھی ہے گدائے کوچۂ الفت
عقیدت کی جبیں تیری مروت سے ہے نورانی

ترا در ہو مرا سر ہو مرا دل ہو ترا گھر ہو!
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی!

سلام اے آتشیں زنجیر باطل توڑنے والے
سلام اے خاک کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے

آمنہ کا لال آغوشِ حلیمہؓ میں

جاہلیت کا عرب اس روشنی کے ہندوستان سے بدرجہا بہتر تھا۔ بچوں کی تعلیم و تربیت
انکی نگاہ میں نہایت ضروری تھی۔ غلط محبت اور اندھی مامتا اولاد کے مستقبل میں حارج
نہ ہوتی تھی۔ ماں باپ بچوں کی زندگی برباد کر کے اپنا کلیجہ ٹھنڈا نہ کرتے تھے جس طرح
زبان کی فصاحت و بلاغت کے چھوٹے سے خاص خاص خاندانوں میں گڑھ ہو
رہے تھے۔ اسی طرح ان کو یہ بھی یقین کامل تھا کہ گاؤں کی صاف اور تازہ ہوا
شہر کی گندگی اور خراب ہوا سے بہتر اور بچوں کی نشو و نما کھلے ہوئے میدانوں میں
گلی کوچوں سے اچھی ہوتی ہے۔ اسی واسطے یہ دستور عام ہو گیا تھا کہ قریش اپنے
لڑکے آس پاس کے گاؤں میں بھیج دیا کرتے تھے۔ دودھ پلانے والی انائیں ہر
چھٹے مہینے اسی مقصد سے مکہ آتی تھیں۔ اور ماں باپ سے گفتگو اور معاملہ طے
کر کے بچوں کو اپنی ذمہ داری پر ہمراہ لیجاتی تھیں۔ اور ان کی طلبی پر یا دو
دن ہو جاتے تو خود ملانے لائیں اور لے جائیں اور یہ سلسلہ کم از کم جب تک
بچہ دودھ پیتا جاری رہتا اور خاص خاص حالات میں اسکے بعد بھی پانچ چھ برس کی عمر تک
سرور دو عالم عروس عبد اللہ یعنی اپنی ماں آمنہ کا دودھ پی رہے
تھے کہ انائیں بچے لینے آئیں۔ قدرت کے ڈالے ہوئے خاموش
پردے جنہوں نے مستقبل کو نگاہ انسانی سے پوشیدہ رکھا ہے۔
آنکھوں کی اندھی اناؤں کے چہروں پر پڑے ہوئے تھے۔
لالچ کی بندیاں اور دولت کی دیوانیاں اصلی گوہر کی آب
تاب نہ پہچان سکیں اور غریب و یتیم سمجھ کر وارثوں والوں اور
دولتمندوں پر گر پڑیں۔ عبد المطلب اور آمنہ دونوں تکتے

رہے مگر کسی نے ادھر کا رخ نہ کیا۔

حلیمہ سعدیہ جس کو اس دولت سے مالا مال ہونا تھا اور جس کی خدمات تاریخ اسلام میں ابد الآباد تک چمکیں اور دمکیں گی۔ محبت کے قدموں سے آگے بڑھی خلوص کی پیشانی عبداللہ کی چوکھٹ پہ جھکا دی۔ دارابن نبو کی زمین کو بوسہ دے کر عبدالمطلب سے کہا۔

مطلب بھائی! اپنے کلیجہ کا ٹکڑا، اور دودھ کی خدمت میرے سپرد کریں، تمھارے لال کو سر آنکھوں پہ رکھوں گی۔

عبدالمطلب حلیمہ کو لے کر بہو کے پاس آئے اور دنیا کی بہترین ہستی اور کائنات کا کامل انسان اس کے حوالے کیا۔ حلیمہ کا جذبہ محبت پیتم عبداللہ کے سجدہ میں گرا، اور گراں قدر خدمات کی خواہش معصومیت کے اس ڈھیر پہ قربان ہوئیں، اور اب شجر اسلام کا بے مثل ثمر اور باغیچۂ عرب کا بے نظیر پھول سعدیہ کی آغوش میں کھیل رہا ہے۔

حلیمہ! خوشا نصیب قربان تیری تقدیر کے نثار تیری خدمات اور ان جذبات کے جو تیرے دل میں اور اس دل کے جو تیرے پہلو میں اور اس سینے کے جو تیری آغوش میں اور اس لال کے جو تیری گود میں پڑا انگوٹھا چوس رہا ہے، تیری آنکھیں بینا تھیں کہ حقیقت کی کسوٹی پر باپ کے بچہ کو پرکھا اور پتہ لگا لیا کہ آسمان ایمان کے اس چاند کی روشنی ایک عالم کو دمکا دے گی، انصاف کے چشمے ان قدموں سے پھوٹیں گے عرب اس پہ فخر اور قریش اس پہ ناز کریں گے۔

کیسا نازک اور کتنا درد انگیز وقت ہے کہ آمنہ بی بی اپنے بچہ مضطرب دل، اور روتی ہوئی آنکھوں سے وداع کر رہی ہیں مطلب

کی پرنم آنکھیں اور خاموش نگاہیں دُرِ یتیم کو رخصت کرنے آگے بڑھیں۔ بی بی آمنہ نے رخسار کو عبدالمطلب نے پیشانی کو بوسہ دیا۔ ابولہب کی لونڈی ثوبیہ جس کو دودھ پلانے کی عزت حاصل ہوئی تھی سامنے آئی کھڑی دیکھتی رہی اور شہسوارِ عرب کی سواری حلیمہ کی گود میں مکہ سے روانہ ہوئی۔

کس قدر خوش نصیب تھا ہوازن کا قبیلہ ان کا محلہ اور گھر جہاں خدا کی رحمت برکت بن کر نازل ہوئی۔ حلیمہ کی بچی شیما نے اس جوہر کی منزلت بھی دل کی آنکھیں محبت کے نشہ میں چھوتی ہوئی اٹھیں سینہ سے چمٹایا گلے سے لگایا دونوں ان بیٹیاں اب دیوانہ وار آمنہ کی امانت پہ شیدا ہوئی تھیں اور آنکھیں بچھائی تھیں۔

حلیمہ سعدیہ اس لال کی ایسی ہوئی شیدا
کہ اب اس کے سوا اس کو دکھائی کچھ نہ دیتا تھا
اگر دل شاد تھا اس سے تو گھر آباد تھا اس سے
بصارت تھا وہ آنکھوں کی کلیجہ کی وہ ٹھنڈک تھا
کھلاتی تھی، پلاتی تھی، ہنساتی تھی، رلاتی تھی
بچھونا قلب تھا اس کا تو آنکھیں اس کی ہنگورا
شیدا ہوتی تھی چہرہ پر فدا ہوتی تھی صورت پہ
کبھی قربان پاؤں پر کبھی ہاتھوں پہ پروانہ
بلائیں چاند سے مکھڑے کی لے کر پیار کرتی تھی
نہ تھی کچھ فکر جینے کی نہ تھا کچھ ہوش کھانے کا
گلے سے خوب چمٹا کر سلاتی لوریاں دیتی
یہ کہتی سو مرے پیارے مرے نورِ نظر سو جا

یہ دل تیری معصومیت پہ فدا
ترے رخ پہ قربان صلّ علیٰ
مبارک سلامت کی ہے دھوم دھام
شبِ عشق کی آن پہنچی ہے شام!

قدرت کی بلند نگاہیں مخلوق کے اعمال کو دیکھ اور پرکھ رہی تھیں۔ اعمال کی جزا و سزا کا قانون جس کی زندگی میں بگلتا حیات انسانی کے واسطے لازم ہے جاری و ساری تھا۔ مکہ کی بت پرستی اور مکہ والوں کی بداعمالی روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ ترقی کر رہی تھی اور اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ شرم و حیا کے گوہر آبدار خاک میں مل کر قریش کے مردوں اور عورتوں نے عریانی کے ایسے ڈھنگ دکھانے شروع کر دیئے تھے کہ عالم بالا کی کائنات منہ ڈھانک رہی تھی۔ بالآخر ان کا قہر وبا کی صورت میں نازل ہوا اور کئی بچے جوان دیکھتے ہی دیکھتے قبروں میں پہنچنے لگے۔ گھر کے گھر صاف ہو گئے اور وبا اتنا ہو گئی کہ موت نے قدم سے پورے مکہ کی سرزمین سر پہ اٹھا لی۔

ادھر تو یہ ہو رہا تھا اور ادھر حلیمہ سعدیہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بی بی کے چاند کو پالتے پوستے اور دودھ پلاتے ہوئے دو سال کے قریب ہو گئے اور دودھ پلانے کا زمانہ ختم ہوا۔ میں اپنی خدمت پوری کر چکی اور جس لال کو اتنے روز کلیجے سے لگائے رکھی اسے جدا کروں، اور عبدالمطلب کی امانت جن آنکھوں سے لی تھی ان ہی آنکھوں سے جا کر واپس کر دوں۔ اتنا سوچتے ہی حلیمہ کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اندیشۂ فراق درد بنکر دل میں اٹھا۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ مگر ایمان کی روشنی نے قلب مجروح پہ مرہم رکھا۔ انصاف نے تسکین دی اور بی بی آمنہ کی انتظار کی صورت نے

سامنے آکھڑی ہوئی اور سرکار دوجہاں کو ساتھ لیکر مکہ روانہ ہوئی۔

منزل مقصود پانچ فرسنگ تھی دوپہر کے آفتاب کی تیز کرنیں حلیمہ کے اونٹ کا جائزہ لینے آگے بڑھیں ہوا گرم ہوئی اور لو تیز۔ دائی حلیمہ نخلستان درختوں میں اتر پڑی۔ گرم ہواؤں نے تھپکا اور زیتون و کھجور کے پتے موسیقی میں مصروف ہو کر لوریاں دینے لگے حلیمہ پر نیند غالب ہوئی اور کائنات کی وہ بیش بہا نعمت جو ایک معصوم کی صورت میں سپرد کی گئی تھی بالتی آگے بڑھ گئی حلیمہ بے خبر پڑی سوتی تھی اور عبداللہ کا یتیم بچہ قدرت کے تماشے دیکھ رہا تھا دھوپ اسکے پاؤں کی رفتار کے ساتھ گردش کر رہی تھی اور درختوں کا سایہ اس ننھے سے قدسیہ شمار تھا بچپن نے بے فکری کا خلعت گراں بہا زیب تن کیا اور پرواز معصومیت آمنہ کے لال کو اپنی گود میں لئے چاروں طرف اڑنے لگی موسم کی گرمی نے حلیمہ کی آنکھوں پر پردہ ڈالدیے اور اس امانت سے بے خبر ہو گئی جس کے ساتھ جان لڑی ہوئی تھی۔ درختوں کا سایہ معصومیت کے اس ڈھیر کو جو بچہ کی صورت میں مناظر قدرت کا مشاہدہ کر رہا تھا کہیں کا کہیں لے گیا۔ زمین نے شوق کی آنکھیں بچھائیں اور خاموش پتے اچھلتے کودتے استقبال معصومیت کو آگے بڑھے پھولوں کے جھونکے دست بستہ سامنے آئے اور ادب سے راگ شروع کر دیا حلیمہ کے نازک ہاتھوں کے بدلے آفتاب کی تیز شعاعیں لوریاں دے رہی تھیں نیند غالب ہوئی اور ماں کی آغوش سے بچھڑا ہوا بچہ دائی سے دور نرم نرم پھولوں پر لیٹ گیا۔

خوش نصیب تھے وہ پتے جن کے خاموش منہ اس جسم کو بوسے دے رہے تھے جس کی نزاکت گلاب دیا اس کو شرما رہی تھی سنسان دوپہر نے کائنات ارضی کی بیش بہا دولت کو اپنے سینے سے لگایا جنگل محافظ بنا اور آمنہ کا لال قانون قدرت کے تحت دنیا سے بے خبر ہو گیا۔

تیز ہوا کے ایک گرم جھونکے نے حلیمہ کو جھنجھوڑا۔ اٹھی ادھر ادھر نظر
نگاہیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا، مگر عبداللہ کی امانت نظر نہ آئی۔ ہوش
ہر طرف دوڑتی پھری۔ آوازیں دیں۔ چیخی چلائی۔ تڑپی
... ... بیدردی کی بجلی نے خاک سیاہ کر دیا۔

دودھ کا جوش دل میں کچوکے لے رہا تھا۔ لیکن آوازوں سے صدائیں
لگائی تھی۔ خاموش آنکھوں سے گھیان درختوں میں گھورتی تھی اور بے پناہ
چباتے ہاتھوں سے جھنڈوں کو ٹٹولتی تھی، کہ شاید چھوٹی ہوئی آواز اور
بچھڑی ہوئی صورت کانوں اور آنکھوں کو منور کر دے۔

دھاڑیں مار مار کر روئی اور چیخ چیخ کر جنگل سر پر اٹھا لیا۔ آفتاب
سے خطاب کیا، درختوں سے باتیں کیں، پرندوں سے دریافت کیا، چرندوں
سے پوچھا اور دیوانہ وار ہر سمت آوازیں دیکر دوڑنے لگی۔ آفتاب اسکی
دیوانگی پر ہنسا۔ زمین اس کی بے عقلی پر مسکرائی۔ ہوا نے قہقہے لگائے۔ دھوپ
نے ٹھٹھے مارے، مگر اس کی کیفیت میں تغیر اور حالت میں فرق نہ ہوا۔ کلیجہ
گھونسے مارتی تھی درختوں کو چمٹتی تھی۔ ہوا کو لپٹتی تھی۔ دھوپ کی خوشامد
ہوا کی منتیں، جانوروں کی التجائیں۔ ہر تدبیر بیکار اور ہر کوشش بے سود
تھی۔ شکستہ دل صدائیں زبان کے آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی دشت
بے خبر جنگل میں رس گئیں، اور محمد محمد کے نعروں سے جنگل گونج پڑا۔ بلبلاتی
ہوئی پکارتی تھی، روتی تھی اور کہتی تھی کہ جنگل کے رہنے اور بسنے والے
جاندارو! جانو! غریب الوطن حلیمہ کا معصوم بچہ تمہارا مہمان تھا، تم نے دغا
کی، اور میرے کلیجہ کا ٹکڑا مجھ سے چھین لیا۔ میری آنکھیں پھوٹ رہی ہیں
میرا دل رو رہا ہے۔ میری جان نکل رہی ہے اور میرا خون خشک ہو رہا ہے

مجھ پر رحم کرو۔ انصاف کرو۔ کرم کرو۔ مجھ مردے کو جلا دو، اور میرا بچھڑا
ہوا لال میرے کلیجے سے چمٹوا دو۔ سایہ دار درختو! دنیا نے منہ پھیر لیا! خدا کا واسطہ
اپنے محبوب کا صدقہ ایمان سے کام لو اور میری فریاد سنو۔ ریت کے
ذرّو! اور آفتاب کی شعاعو! پتہ بتاؤ میرے لال کا۔ درختوں کے پتو!
اور جنگل کے تنکو! نشان دو میرے معصوم کا۔ اس کی بھولی بھالی
صورت میرا کلیجہ مسل رہی ہے۔ اس کی پیاری باتیں میرے دل کے
ٹکڑے اڑا رہی ہیں۔ ہوا کے ظالم جھونکو! تم درد محبت سے
نا آشنا ہو۔ چمکتے ہوئے سورج کی تیز کرنو! تم ماں سے ناواقف ہو۔
زمین پر بیٹھنے سے خاموشی سے چرنے والی بھیڑو! تیرے بچے جئیں، تیرے
پھیرے والے لال رہیں، اور بڑھ کر میری مدد کرو۔ دکھیاری ہوں مصیبت
کا پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑا، زندگی وبال ہو گئی۔ میرے گھونگر والے بالوں
والا۔ میرا پیاری باتیں بلکانے والا، جس کے منہ سے پھول جھڑتے
تھے۔ جس کے ہونٹوں سے خوشبو آتی تھی، مجھ سے بچھڑ گیا۔ مستا
بگولو! آؤ میرے بچے کو تلاش کرو۔ پھولوں والی ٹہنیوں! اجڑنا
چھوڑ دو۔ اٹھو اور میرا لال ڈھونڈو۔
بلبلاتی ہوئی ہر سمت دوڑی۔ مگر محروم آنکھیں اس جمال سے
مشرف نہ ہوئیں اور وہ آواز جس کو دل ڈھونڈ رہا تھا کان میں
نہ آئی۔ مایوس نظریں تھک کر گر پڑیں اور نا امید دل ڈھونڈ کر ہارا۔
خیال آیا کہ آمنہ کے سامنے کس منہ سے اور عبدالمطلب کے روبرو
کس دل سے جاؤں اور کہوں کہ تیرا لال کھو گیا۔ اطلاع دوں
کہ تیرا بچہ گنوا آئی۔ روتی ہوئی چلی اور تڑپتی ہوئی مکہ پہنچی۔ رستے

پھر کلیجہ پر گھونسے لگائی اور درختوں سے ٹکریں ماریں عبداللہ کے گھر پہنچی۔
آمنہ دنیا کے مشاغل میں بیٹھی تھی کہ گریہ وزاری کی آواز کان میں آئی سامنے
دیکھا تو حلیمہ دروازہ میں کھڑی رو پیٹ رہی ہے۔ ماں نے ہوش اڑا دیئے
اور بچے کی تصویر آنکھ کے سامنے پھر گئی۔ بے ساختہ چلا اٹھی۔

میرا بچہ تو ہے اچھا؟ تو کیوں روتی ہوئی آئی
یہ کیا حالت ہوئی تیری بتا تو خیر ہے دائی!
مرا دولہا کہاں چھوڑا؟ ہوئی ہے گود کیوں خالی
بتا جلدی سنا جلدی خیر ہے ساتھ کیا لائی
ہزاروں وہم ہوتے ہیں کلیجہ منہ کو آتا ہے!
قیامت ہے ترا رونا غضب ہے تیری تنہائی
ترے کھلتے ہوئے منہ پر کوئی آفت ہے پوشیدہ
ملیحہ نشان ہیچ رنگت تیری سنولائی
تو ہنستی بولتی رخصت ہوئی بچہ مرا لے کر
ہوئی واپس تو اب آ کر اس طرح کی شکل دکھلائی
حلیمہ تیرے قربان شکل بچے کی دکھا مجھ کو
پڑی ہے مجھ پہ کیا بیتا ارے کچھ تو بتا مجھ کو

بی بی آمنہ کے اضطراب نے حلیمہ کی حالت اور ردی کر دی۔ بلبلاتی ہوئی
آگے بڑھی اور رو رو کر کہا کہ جنگل کے درختوں نے، نہروں کے پتوں نے
گھاس کے تنکوں نے تیرا بچہ مجھ سے چھینا۔ چپہ چپہ ڈھونڈا کونہ کونہ دیکھا اور
گوشہ گوشہ چھان مارا۔ آسمان نے دغا کی زمین نے دھوکا دیا اور جنگل نے آنکھیں
بدلیں، اچھا بچہ جیتا جاگتا کھیلتا انا چھوڑ کر لیٹی۔ ہائے ہوا کے جھونکوں نے

مجھ سے دشمنی کی اور نیند کا پردہ میری آنکھوں پر ڈال دیا۔ ہوشیار ہوئی تو تیرا چاند میرے پہلو سے جدا تھا۔ کیا کہوں کس منہ سے کہوں اور کس دل سے بتاؤں، کہ کیا ہوا، کیونکر ہوا۔ اور کس طرح ہوا۔ آمنہ گنہگار ہوں۔ مجرم ہوں۔ جو چاہے سمجھ اور جو سمجھ میں آئے کہہ۔ گردن تیرے خوف سے اونچی نہیں ہوتی اور زبان ندامت سے اٹھتی نہیں، آمنہ تیرا لال کھو گیا۔

"ماں ایک چیخ مار کر یہ کہتی ہوئی گری"۔ "ہائے میرا بچہ" اور بہو کی آواز ہوا میں گونجتی ہوئی باہر پہنچی۔ مطلب گھبرا کر اندر آئے۔ کیفیت دیکھی اور حقیقت سنی، حلیمہ کو ساتھ لیا اور اس جگہ پہنچے۔

آفتاب کی آنکھیں ٹمٹما رہی تھیں۔ لو کے جھکڑ ختم ہو چکے تھے مگر زمین سنگلاخ ابتک شعلے اگل رہی تھی۔ مطلب کی نگاہیں چاروں طرف ڈھونڈتی ہوئی گنجان درختوں میں کیا دیکھتی ہیں کہ ریگستان عرب کا دمکتا ہوا تارہ اور چمکتا ہوا چاند پتوں میں جگمگا رہا ہے۔ باآواز بلند کہا "حلیمہ ادھر دیکھ" حلیمہ جھپٹی۔ بچے کو گود میں اٹھایا، اور یہ مختصر سا قافلہ وطن روانہ ہوا۔

گھر پہنچے تو ممتا کی ماری ماں دروازہ میں کھڑی تھی۔ آنسوؤں کی زار و قطار لڑیاں آنکھ سے جاری تھیں۔ رات کا اندھیرا ہر سمت چھا رہا تھا جب آمنہ کے کانوں نے قدموں کی آہٹ سنی تو شفقت مادری حیا پر غالب آئی کہنے لگی "حلیمہ میرا بچہ ملا" وہ عجیب لمحہ تھا۔ آمنہ کا کلیجہ دھک دھک کر رہا تھا اور کان جواب کے واسطے تڑپ رہے تھے۔ مطلب خاموش تھے۔ مگر مسرت چہرے پر کھیل رہی تھی۔ حلیمہ نے کہا:۔

"لے آمنہ تیرا بچہ تجھ کو مبارک ہو"۔

بے قراری اطمینان سے اور گریہ وزاری مسرت سے بدلی۔ روتی ہوئی ماں

کے محبت بھرے ہاتھ آگے بڑھے۔ بچے کو گود میں لیا اور خوشی کے آنسو آنکھ سے نکل آئے دفعتاً خیال آیا کہ موسم سخت اور ہوا خراب ہے وبا کا زور انتہا کو پہنچ گیا اور موت کا شور گھر گھر سے بلند ہو رہا ہے۔ رات آنکھوں میں کاٹی اور صبح ہی حلیمہ سے کہا:-

"بچے کو اور چند روز کے واسطے لے لو۔ بیماری کم اور وبا ختم ہو جائے تو پہنچا دیجیو۔" حلیمہ نے یہ سن کر مطلب کی صورت دیکھی اور رو کر جواب دیا۔

"بوی! ماں کی آگ پیٹ سے زیادہ ہوتی ہے۔ میرا ہی دل جانتا ہے کہ اس دولہا کو کس طرح لائی ہوں۔ آمنہ جدائی کا پتھر بڑی مشکل سے دل پر رکھا جاتی ہوں کہ یہ پھول سا ٹکڑا ایک نہ ایک دن مجھ سے بچھڑنے والا ہے تیرا لال تجھ کو نصیب ہو۔ میں تو خدمت کرنے اور پال دینے والی تھی۔ میں نے دودھ پلایا خدا نے مدد کی اور آج میرا دولہا جو کل میری اور تیری گود میں انگوٹھا چوس رہا تھا پاؤں چلنے کے قابل ہو گیا۔ بوی جس آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں دو چار روز میں دب جائے گی آنکھیں رو دھو کر خاموش اور دل تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو جائیگا۔ یہ جانتی ہوں کہ جب تک جان میں جان ہے محمد کی یاد دل سے نہ جائیگی۔ اس کی جدائی میں روؤنگی جب تک زندہ ہوں، تڑپوں گی جب تک دم میں دم ہے۔ مگر میرا کام ختم ہو چکا۔ اور میں جو آگ دبا چکی ہوں اب اس کو کریدتے ہو؟ میری بچی شیما نے جو تیرے سامنے کھڑی ہے تیرے بچے کی جدائی پر کہرام مچا دیا۔ مگر خدا صبر دیتا ہے مجھ تو اسی کے لئے کٹتے۔ کہ جن آنکھوں نے قریش کا چاند لے لی تھی انہی آنکھوں سے واپس کر دوں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اس نے مجھے سرخرو کیا اور دل کا خدا ہی حافظ ہے۔ گو وہ لال جو دو سال میرے کلیجے سے لپٹا اور سینے پر لیٹا مجھے واپس کرنا ہی ہوگا میں نے

سوچا تھا کہ ہم دونوں ماں بیٹیاں حلیمہ اور شیما جب دل بگڑے گا اور یاد ستائے گی۔ تو آکر صورت دیکھ لیں گے۔ اب بچھڑے جاؤں اس میں شک نہیں کہ آنکھوں میں سکھ اور کلیجہ ٹھنڈا ہو گا۔ لیکن جدائی کا وقت جو بھگت چکی ہوں وہ پھر آئیگا۔ اور جو سماں کل سے اب تک دیکھ رہی ہوں وہ بارہ دیکھنا پڑے گا۔ بوی آمنہ! خدا تجھ کو بچہ مبارک کرے۔ مگر یاد رکھ یہ بچہ معمولی بچہ نہیں ہے۔ آنکھیں تو کچھ دیکھ رہی ہیں اسکو الٹ نہیں سکتی۔ حکم کی تعمیل کر رہی ہوں اور لیے جاتی ہوں۔"

حلیمہ اور شیما دونوں ماں بیٹیاں آمنہ کے لال کو لیکر اونٹ پر سوار ہوئیں۔ اور گھر پہنچیں۔ دایہ جو بی بی آمنہ کو دلا رہی تھی، بالآخر ختم ہوئی اور آقائے نامدار کی عمر چھ سال ہی تھی! حلیمہ رو تی دھوتی آمنہ کی امانت واپس کر گئی۔ خوش نصیب تھی حلیمہ اس کی بیٹی شیما اور اس کا شوہر حارث جنھوں نے چھ سال تک خدمت کی سعادت حاصل کی۔ اور قریشی شمع پہ شب و روز پروانہ وار نثار ہوئے۔ کیسے اچھے بھاگ تھے۔ قبیلہ ہوازن کے جس کی گود میں فخر الموجودات نے وہ زبان سیکھی جس پہ خود بھی فخر فرماتے تھے۔

آمنہ کا لال باپ کے مزار پر

بچوں والی مائیں اولاد والے باپ اس کیفیت کا اندازہ اچھی طرح کر سکتے ہیں جو اب آمنہ بی بی کے قلب پہ گذر رہی تھی۔ شوہر کی موت جس نے دنیا آنکھوں اندھیری کردی تھی عبد المطلب کی دلداری اور اپنی کوشش کے باوجود ایک لمحہ کو بھی دل سے فراموش نہ ہوئی تھی۔

جب رات کے سنسان وقت میں بچے لال کے رخسار کو بوسہ دیتی، اور ننھے ننھے ہاتھ جوڑ کر گلے میں ڈالتی اور معصومیت کے پاک جسم کو کلیجہ سے لگاتی تو شفقت

مادری فراق شوہر کا استقبال کرتی ہوئی آنسوؤں کی صورت میں آنکھ سے نکلتی
مامتا کے ٹھنڈے سانسوں کی خاموش فضا میں داخل ہوتی اور بکھرے ہوئے۔
عبداللہ کی صورت ایسا آہ کی صورت ایک آہ کی ہیئت میں نمودار ہو کر دل کا
کنول مرجھا دیتی۔

عبداللہ کی جدائی کا صدمہ بجائے زائل ہونے کے اور زیادہ ہو رہا ہے
دل کہتا تھا کہ جن کی بہار دیکھنے والی آنکھیں ہمیشہ کی نیند سو گئیں اور خود کہتی تھی
کہ اس پھول پہ قربان ہونے والا بلبل خزاں سے پہلے چھپتے میں آیا جس میں کبھی نہ آئیگی۔
آخر ان دو مہینے کے بیشمار غور سے بی بی آمنہ کے پاک جذبہ پہ یکہ بچہ کو لے کر باپ
کی قبر پہ جاؤں اور شوہر کی روحانی آنکھیں کلیجے کے ٹکڑے کو دیکھ لیں۔ بچے کی
میں منتظر ہوں زندگی کو بعد زندگی ... یہی منتر پہ رکھوں اور دکھا دوں کہ وہ ننھی
سی جان جس کو پیٹ میں چند مہینے کا چھوڑا تھا آج اپنے پاؤں سے چل کر تجھ سے
ملنے آیا ہے۔ دادا نے بھی خوشی خوشی اجازت دی اور دونوں ماں بیٹے روانہ ہوئے۔
بی بی آمنہ کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ وہ جس جگہ کا رخ کر
رہی جہاں جا رہی ہیں اور جس مقام پر ان کا شوہر عبداللہ دفن ہے اسی بچہ کی بدولت
اسی لال کے طفیل اور اس مرد معصوم کے صدقہ میں اتنا مقدس ایسا پاک اور اس
قدر متبرک ہوگا کہ زمین کا ہر حصہ اس کو سجدہ کرے گا۔ اور یہ دنیا کی ہر سمت
سے لوگ اس کی زیارت کو آئیں گے۔ یہاں کی خاک اسلام کی آنکھوں کا سرمہ
ہوگی۔ اور کائنات کی بہترین شے اس عروس البلاد کی انگوٹھی کا نگینہ بنے گی
مدینہ لاتعداد انسانی جذبات کا مرکز ہوگا۔ اور زیادہ نہیں قریباً قریباً ایک ہی
صدی بعد بڑے بڑے تاجدار اس زمین پر گردنیں جھکا دیں گے اور وہ معصوم
جو اس وقت میری گود میں ہے ایسا شہنشاہ ہوگا کہ جلیل القدر بادشاہ اس کے

قدموں میں گر رہے ہے، اور میں حسب کی معصومیت پہ قربان ہو رہی ہوں اس
کی صداقت اُنکی عالیشان محلوں کی بنیاد میں ہلا دیگی جو نخوت و تکبر کے گارہ پہ قائم ہیں
صبح صادق کا سہانا وقت ہے اور خاندان قریش کی ایک خاتون اپنے چھ سالہ
بچے کو لیئے شوہر کی قبر پہ کھڑی ہے اس کی خاموش زبان اپنے درد کی داستا
سنا رہی ہے شکائتیں آہ بنکر لبوں تک آئیں اور مطلب کی ناقابل برداشت
اذیت آنسو بنکر آنکھ سے نکلی۔ ہاتھ بچے کے سر پہ ہے اور نگاہ شوہر کی قبر پہ
اس نے چاروں طرف دیکھا اور سنسان جنگل میں جہاں ہوا کی لہریں آسمان
سے باتیں کر رہی تھیں اپنے ٹھنڈے سانسوں کے ساتھ اس کی محبت کا تحفہ
اور نگاہ کی یادگار اپنا بچہ پیش کیا۔ دل خون کے آنسو رو دیا۔ قبر کی خاک
آنکھ سے لگائی۔ اور آسمان کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

قربان ان پیاری پیاری نظروں کے جو معصوم ماں کا منہ دیکھ رہی ہیں
اور شار اس چھوٹے سے دماغ کے جو فلسفہ زندگی کے پیچیدہ پیچیدہ مسئلہ
کو حل کر گیا مگر اس وقت خاموش ہے۔ آقائے نامدار ماں کا ہاتھ پکڑے ادھر
اُدھر دیکھ رہے ہیں۔ بی بی آمنہ شوہر کی قبر سے فارغ ہو کر بچے کو لیئے لیئے
اُم ایمن کے پاس آئیں۔ یہ اس سفر میں ساتھ تھیں۔ مہینہ بھر کے قریب قیام
رہا اور اس کے بعد آخری مرتبہ شوہر کی قبر سے رخصت ہو کر دونوں ماں
بیٹے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔

بی بی آمنہ کی وفات

حیات انسانی کی کسوٹی پر دنیا آزمائش کا ہاتھ اس طرح بڑھاتی ہے کہ سننے
والوں کے کلیجے شق ہوں۔ قدرت ایک ننھی سی جان کی آزمائش کرتی ہے

اور چھ سال کا بچہ جسے باپ کی شفقت میسر نہ ہوئی ہو، آج ماں کی مامتا سے محروم ہوتا ہے۔ بی بی آمنہ زندہ تھیں دو سال کے بچہ کو چھ سال کا کرنے کے واسطے۔ شوہر کی موت کا صدمہ ساڑھے چھ سال کی طویل مدت میں بھی زائل نہ ہوا عبدالمطلب کی محبت ہوتے زخم کا اندمال نہ کر سکی اور ننھیالی رشتہ داروں نے بھی اس نقصان کی تلافی نہ کی۔ مدینہ پہنچ کر یاد جاگی اور گھر کے دیئے جب تنہائی زیادہ ہوئی، اور بیقراری حد سے گزر جاتی تو اس کی یادگار معصوم بچے کو کلیجے سے لگا کر دل ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتیں لیکن یہاں حالت اور بھی ردی ہوئی اور دل سمجھا دیتا کہ وہ حصہ تھا جو پھیری اور میرے بچہ کی زندگی کا انحصار تھا ختم ہو گیا، اور دادا کے سوا کوئی ایسا نہیں رہا کہ میرے یتیم کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ یہ خیالات اس قدر غالب ہوئے کہ اصل مقصد ہاتھ سے جاتا رہا اور بچے کی پرورش کا فرض آنکھ سے اوجھل ہوا۔ مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی۔ اسی حالت میں گیا۔ طبیعت کی خرابی، رستہ کی تھکان۔ کیفیت زیادہ بگڑ گئی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بی بی آمنہ کو اپنی موت کا یقین ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی بچے کے خیال نے دل بٹھا دیا۔ مگر آمنہ بی بی کو یہ معلوم نہ تھا کہ قدرت اپنے یتیم کی کس طرح پرورش کرے گی۔ اور تکالیف و مصائب کے بجز نا پیدا کنار میں اپنے ہاتھ سے کس طرح صحیح و سلامت پہنچا کر ڈنکے کی چوٹ اس احسان کا اعلان کرے گی، اور کہے گی کہ تجھ کو یتیم پا کر ہم نے پرورش کی۔

ابوا پہنچ کر بی بی آمنہ سفر کے قابل نہ رہیں اور آثار موت ظاہر ہونے لگے۔

اب وہ وقت قریب آ رہا تھا کہ جس سر سے باپ کا سایہ ماں کے پیٹ ہی میں اٹھ گیا، وہ ماں کی مامتا سے بھی محروم ہو جائے اور دادا کے سوا اس دنیا میں کوئی رفیق و مددگار نہ ہو۔ بی بی آمنہ نے اپنے معصوم کو جو خاموش ماں کی صورت

دیکھ رہا تھا پاس بلا کر گلے سے لگایا، اور دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

عبدالمطلب کی رحلت

عبدالمطلب کی آنکھیں بیٹے سے زیادہ بہو کی موت پر اس لئے روئے کہ اب پوتے کی تمام ذمہ داری انکی ذات پر تھی اس اعتبار سے شاید عبداللہ کی موت عبدالمطلب کے واسطے اتنی سنگین نہ ہو۔ گھر بھر کا بڑا بوڑھا کنبہ کا سیٹھ جو چاہو سمجھ لو۔ پوتے کے واسطے باپ کی شفقت ماں کی محبت دادا کی عنایت دادی کی الفت جو کچھ تھی اب عبدالمطلب کی ذات میں اور یہ خدمت فرض تھی یا ضرورت دادا نے نہایت محنت سے انجام دی۔ مگر قدرت کے مراحل سے تجربہ کار دادا اور معصوم پوتا دونوں بے خبر تھے۔ خدا سے بہتر و برتر قدم قدم پر اپنے محبوب کی کیفیت دیکھ رہا تھا کہ مصائب کا وزن کس طرح بتدریج ترقی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ آٹھ سال کی عمر میں ایک یتیم بچے کے سر سے ماں باپ اور دادا دادی سب کا سایہ اٹھ گیا۔ اور سرکار دوعالم اپنے چچا ابوطالب کی پرورش میں پہنچے۔

حضور ابوطالب کی نگرانی میں!

جب عبدالمطلب کا وقت آخر ہوا اور زندگی کی امید باقی نہ رہی تو انکو سب سے زیادہ فکر پوتے کی پرورش کی تھی' انھوں نے خاندان کو جمع کیا اور کہا:-

"میں ایک یتیم بچہ جو ماں اور باپ دونوں کی شفقت سے محروم ہے محتاج پرداخت چھوڑ رہا ہوں۔ یہ میرے مرحوم لڑکے عبداللہ کی نشانی ہے جو لڑکوں میں مجھے سب سے زیادہ عزیز تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا انتظام موت سے پہلے کر دوں اور اپنے سامنے اس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں دے کر رخصت ہوں۔

عبدالمطلب کی تقریر سن کر ان کے لڑکے اور دوسرے عزیز پرورش و تربیت کے
وعدوں سے آگے بڑھے اور اس خدمت پر نہایت خاموشی سے آمادگی ظاہر کی مگر ابوطالب
کے الفاظ میں صداقت کی ایسی جھلک نظر آئی کہ عبدالمطلب نے یہ امانت انہیں کے سپرد کی

سرکارِ دو عالم کا لڑکپن

لاریب ابوطالب نے جیسا وعدہ کیا اس سے زیادہ بھتیجے کی خدمت کی اور انتہائی
کوشش کی کہ یتیم دل سے ماں اور باپ کی موت بھلا دیں۔ اس وقت آپ کی
عمر نو سال کی تھی۔ مگر آپ کی عادات کچھ ایسی غیر معمولی تھیں کہ قریش ہی نہیں تمام اہل
مکہ کی نگاہیں اٹھنے لگیں۔

حسن عقیدت کا زریں لباس اتار کر آج دیکھنا ہے کہ آسمان رسالت کا یہ کوکب
درخشندہ نبی کو قمر چہار دہم بنکر ایک دنیا کو جگمگاتا ہے۔ منازل ابتدائی کس طرح طے کرتا
ہے۔ زمین کی آنکھیں حقیقت کی روشنی میں کیا دیکھتی ہیں اور صداقت سے لبریز دل و
دماغ واقعیت سے کیونکر مغلوب ہوتے ہیں۔

غیر مسلم مورخ محققوں نے بانیٔ اسلام کے اس شاداب پھول پر چاروں طرف
سے آگ برسائی ہے اور جن کے گستاخ قلم نکتہ چینی کا کوئی دقیقہ فروگذاشت
نہیں کرتے عہد معصومیت پر بحث کرتے ہوئے ان واقعات کے ہمنوا ہونے پر
مجبور ہیں جنھوں نے ہر ایک انکار کا سر دربار رسالت میں جھکوا دیا۔ یہ وہ وقت ہے کہ
پرستاران کلمۂ توحید جوش محبت اور ذوق عقیدت میں مسرت کا جس قدر اظہار
کریں کم ہے واقعیت اپنا سکہ دشمنوں کے دل پر اس طرح بٹھاتی ہے کہ پرستارِ
اسلام کے دولہا کی بزم حقیقت میں تشریف لانے سے پہلے ہی ان پھولوں ستائش
کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتے۔ سات سمندر پار رہنے والے ایک دریدہ دہن

کا اعتراف ہمارے الفاظ کا لباس پہن کر اس طرح نمودار ہوتا ہے۔
سرزمین عرب پر رات کی تاریکی چھا چکی ہے اور وہ یہ ساعت ہو کر زندگی کا ہر گناہ مکہ کی آغوش میں پورا ہو رہا ہے۔ شراب اور جوئے کی محفلیں الگ ہیں، ناچ اور رنگ کی جدا، عیاشی کے جلسے ایک طرف ہیں تو بدمعاشی کی تجویزیں دوسری طرف۔ آوارہ و بدکردار لڑکے شباب کے استقبال کی تیاریوں میں سرگرم اور وہ زمین جو آج ارض مقدس کے نام سے مشہور ہے اس کا بچہ بچہ شراب نخوت میں مدہوش ہے۔ حقیقت اس کے بیان سے مجبور کرتی ہے کہ اپنے گذشتہ تاریخ کے سامنے جھکا دے، اس لئے تڑپ تڑپ کر یہ الفاظ نقل کرتا ہے جو خود حضور نے فرمائے۔ "میں اس زمانہ میں بکریاں چراتا تھا"
اللہ اللہ کیسا نازک وقت ہوگا جب یتیم باپ کا دُریتیم قریشی عمامہ سر سے بلند، بانس کا ٹکڑا ہاتھ میں لئے جنگل میں پھرتا ہوگا۔ ہوا زمین مقدس کے بوسے لیتی ہوگی۔ اور زیتون کے درختوں کا سایہ جسم اطہر پر نثار ہوتا ہوگا۔
"ایک بار میں نے چرواہے بھائی سے کہا کہ۔ "آج رات کو میری بکریوں کی دیکھ بھال تم کرنا۔ میں شہر میں جاؤں گا اور نوجوان لطف اور مزوں کو دیکھوں گا۔ شاید میں شریک ہوں۔
معصومیت کے کھیل تھے یا لڑکپن کی باتیں مگر فطرت انسانی کا تقاضہ تھا اور یہ معلوم نہ تھا کہ نظام قدرت اس خواہش پر کس طرح غالب آئے۔
"غروب کے بعد شہر میں داخل ہوا تو ایک شادی ہو رہی تھی اور ناچ گانا ہو رہا تھا۔ جانے کا قصد کیا مگر شدید اس غضب کی آئی کہ فوراً سر رکھ کر لیٹ گیا اور یہ سوچا کہ تھوڑی دیر بعد جاؤں گا مگر صبح کو آفتاب کی شدت سے آنکھ کھلی دوسرے دن بھی یہی ہوا۔ اور پھر کبھی ایسا خیال پیدا نہ ہوا"

اس سے آگے بڑھ کر دشمن کی زبان خاموش ہے اور تعصب آنکھیں اندھی کر دیتا ہے، اور معمولی واقعہ بنا کر ڈال دیتا ہے، اور یہ نہیں کہ وہ پھول جس کو قدرت نے اس لئے منتخب کیا تھا کہ عالم کو مہکا دے۔ اس کی ہر پنکھڑی اور پنکھڑی کا ہر ذرہ حیاتِ انسانی کی لغزش سے پاک تھا۔

قریش امین کا خطاب دیتے ہیں

گو رسالت کی کوئی جھلک ابھی نمودار نہ ہوئی تھی مگر قریش جن کے دل و دماغ زندگی کی بہاروں پر سٹ رہے تھے، یہ دیکھ کر دنگ تھے کہ آمنہ کا لال دنیا کی خرافات سے دور، ہم عمروں سے الگ تھلگ سنجیدہ اور خاموش زندگی بسر کر رہا ہے۔ دوپہر کے سنسان وقت اور رات کی رنگین گھڑیاں جب دوسرے لڑکے کھیل کود اور ناچ رنگ میں منہمک ہوتے ہیں۔ اس کا معصوم دماغ غور و خوض کے بعد قوانینِ قدرت سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ اور یہی انگڑائیاں ہیں جو سماج کی بڑھتی ہوئی زبان پر بچے بچے کے ہونٹوں پر تھیں اور لوگوں کی زبان کا جمال شیطنت کے مجسموں کی آنکھوں کو چوندھیا رہا تھا، عقلیں حیران اور دماغ پریشان تھے، بوڑھے اور جوان متحیر و متعجب تھے کہ عبداللہ کا یتیم فرشتہ ہے یا انسان، کہ زندگی کا کوئی عیش اور دنیا کا کوئی سامان اس کا ایمان متزلزل نہیں کر سکتا۔ قریش اگر کچھ جانتے اور یہ لگ جاتا کہ جس کا بچپن آج عقلیں چکرا رہا ہے اس کا شباب ہمارے ایمان و یقین کو تاراج و خراب کر دے گا۔ تو خدا معلوم کیا کر گزرتے۔ اس حیرانی و پریشانی کا انجام یہ ہوا کہ آنکھیں ایمان نہ لا سکیں، معصومیت کی داد دینی پڑی۔ اور بالاتفاق امین قرار دیا۔

پہلا فیصلہ: - خانہ کعبہ کی حالت خراب ہو چکی تھی، پتھر ڈھے گئے تھے اور

مٹی جھڑ رہی تھی۔ اقوام عرب کی کوشش سے اسکی تعمیر ہوئی اور خدا کا یہ گھر دوبارہ تیار ہوا۔ اس تیاری میں ہر فرقہ اور ہر قوم کے لوگ شریک تھے ان کے عقائد اور یقین مختلف تھے۔ اس لئے وقت آیا کہ حجر اسود نصب کیا جائے تو لوگوں میں اختلاف ہوا اور ہر فریق نے خواہش کی کہ پتھر ہم گاڑیں گے۔ اس اختلاف نے زیادہ طول پکڑا اور بات اتنی بڑھی کہ تلواریں میانوں سے باہر آگئیں قریب تھا کہ ایک جنگ چھڑ جائے اور سینکڑوں آدمی قتل ہو جائیں مگر فیصلہ یہ ہوا کہ پتھر خانہ کعبہ میں چھوڑ دو۔ جو شخص صبح سے پہلے آئے وہی اس کام کو انجام دیگا اور سعادت اسی کو حاصل ہوگی۔ قدرت خداوندی اس لڑائی کا فیصلہ اس طرح کر رہی ہے کہ عرب دنگ اور قریش حیران رہ جاتے ہیں۔ سب سے پہلا شخص جس پر فیصلہ کا انحصار ہو رہا تھا اور جو کعبۃ اللہ میں داخل ہوا "وہ ہمارا آقا و سردار عرب کا چراغ اور آمنہ کا لال تھا۔ آج صرف قریش ہی کو نہیں مکہ کی بسنے والی ہر قوم کو معلوم ہو گیا کہ یتیم عبداللہ کا لڑکپن کچھ کہہ رہا ہے اور قدرت ان مبارک ہاتھوں سے کوئی کرشمہ دکھائے گی۔ رات کا فیصلہ اٹل تھا اور سب مجبور تھے کہ اس پر عمل درآمد کریں اور حجر اسود کے نصب کرنے کی سعادت کا جھگڑا چھوڑ کر اپنی آنکھ سے دیکھیں کہ یہ قدرت سلطنی دو لھا نے کس طرح انجام دی۔ جب وقت آیا تو سب خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے اور گردنیں نیچی کرکے تلواریں میان میں کرلیں۔

مذہب و معاشرت سیاست و انسانیت کی سنگلاخ وادیوں کو چمن بنانے والا دماغ آگے بڑھا۔ اقوام کی بے بسی دیکھی اور انکی حسرت آمیز نگاہوں پر نظر ڈال کر فرمایا "میں اپنی یہ چادر بچھاتا ہوں اس پر پتھر رکھ کر ہر قوم کا سردار ایک ایک کونہ پکڑے اور پہنچا دے تاکہ سب کے ارمان پورے ہوں اور کوئی مایوس نہ ہو۔ لوگ

خوشی کے مارے چلا اٹھے اور اس فیصلے نے یہ بتا دیا کہ اس دماغ میں کیا ہے۔ چاہ درہم
قوم کے ہاتھوں ایسے مقام پر پہنچی، اور باوجود فیصلہ قطعی ہو چکنے کے آپ نے ان
لوگوں سے فرمایا کہ اب تم مجھ کو اجازت دو تو سب کی طرف سے یہ پتھر دیوار میں لگا دوں
سب رضامند ہوئے اور اس طرح یہ پتھر ان مقدس ہاتھوں نے لگایا اور دنیا کو معلوم ہو گیا
کہ کس طرح کمزور سرکش گردنوں کو رگڑ سکتے ہیں اور قدرت کے تماشے چشم
انسانی کو دیکھنے پڑتے ہیں۔

امین کا خطاب حاصل کرنے کے بعد یہ پہلا فیصلہ سرکار دو عالم کا تھا جس نے قوم
کی آنکھیں کھول دیں، یہود و نصاریٰ ہی نہیں خود قریش کے دلوں میں اس کا پہلو
کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ ابھی تک رسالت کا کوئی نشان یا نبوت کے آثار ظاہر
نہ ہوئے تھے مگر جو کچھ ظہور ہو رہا تھا وہ سرشت انسانی کے دائرہ سے باہر تو نہ تھا
مگر فضائے عرب کے زہریلے خصائل سے کوسوں دور تھا اور یہی تھا وہ سبب جس
نے قریش کے سکوت کو تعجب اور تعجب کو سکتہ سے بدل دیا۔ وہ جس وقت غور
کرتے تھے کہ آسمانی کتابیں ایک پیغمبر کے پیدا ہونے کی خبر دے رہی ہیں اور
پھر حضور اکرم کی عادات و اطوار کو دیکھتے تو ماتھا ٹھنکتا اور دل میں کہتے کہ کہیں ہمارے ہی تو لیا
کو گھر کے چراغ ہی سے آگ نہ لگے۔

شباب دنیا جوانی کی بہاریں ہاتھ میں لئے دستہ بستہ آگے بڑھ رہی تھی شباب
کے بلبلان خوش الحان حیات مقدس کے چمن میں چہکنے شروع ہو گئے تھے مگر
اس کی نغمہ سنجی غلط راستوں اور الٹی باتوں کے بجائے صحیح منزلوں، اور
سیدھے معاملوں کے نعرے لگا رہی تھی۔ ایمان و صداقت کے
فرشتے قدرت کی اس مخلوق کے نگہبان تھے۔ اور شرم و حیا کی
حوریں خدا کے محبوب اعمال و افعال کی نگرانی میں مصروف

راستی و سچائی کا غلغلہ مکہ کی سرزمین پر بلند ہوا، اور دور دور سے مخلوق خدا حضور اکرمؐ کی عادات و اطوار کا امتحان لینے اور زیارت کے واسطے آنے لگی۔ اس سرے سے اس سرے تک دھوم مچ گئی، کہ قریش کے خاندان میں جو عدل و انصاف کا نام لینا گناہ سمجھتا ہے۔ عبدالمطلب کا پوتا اور عبداللہ کا لڑکا انسانیت کے ایسے دریا بہا رہا ہے کہ دنیا سیراب ہو رہی ہے۔ اس کی شمع زندگی دنیا بھر کی آنکھیں خیرہ کر دیں۔ سچائی، اور راست بازی اس کے قدم چوم رہی ہے معاملہ اور صداقت اس پر قربان ہو رہے ہیں، وہ امین کا خطاب حاصل کر چکا، اور اب یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ سرزمین عرب پر ایسا بشر آج تک پیدا نہیں ہوا۔

بی بی خدیجہؓ کے ہاں ملازمت

مکہ میں قحط کے آثار نمودار ہوئے اور نوبت یہاں تک پہنچی، کہ اچھے اچھے خاندان پریشان ہو گئے۔ یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ قدرت کیا سامان کر رہی ہے اور اس عیاں میں کیا نہاں ہے۔ ابو طالب بھی پریشان تھے اور قحط نے بھی ان پر اثر ڈال رکھا تھا ایک روز انہوں نے بھتیجے کو پاس بٹھا کر بولا:-

میاں حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے اچھے اچھے گھر اس وقت اپنی عزت مشکل سے سنبھال رہے ہیں خویلد کی بیٹی خدیجہؓ غیر نہیں ہماری اپنی ہی لڑکی ہے اور اس کی تجارت آج کل بڑے زوروں پر ہے۔ میں نے سنا ہے کہ اس کو ایک ایماندار کارندہ کی

ضرورت ہے کیونکہ وہ عورت ہے، کاروبار خود نہیں کر سکتی اور نہ مال و اسباب
لیکر سفر میں جا سکتی ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ تمہاری دیانت، اور
امانت کی تعریف اس کے کان تک پہنچ چکی ہے کہ تم اس کی ملازمت
کرلو تو دو پنتھ دو کاج ہو جائیں گے۔ گھر کی ضرورتوں میں بھی مدد
ملے گی، اور خدیجہؓ کا کام بھی چلے گا۔"

سرکار دو عالم عمر کی اکیس بائیس منزلیں طے فرما چکے تھے معصومیت
کا بھولا پن شباب کی سنجیدگی سے بدل چکا تھا۔ چچا کی تقریر توجہ سے سنی،
ابھی کچھ فیصلہ نہ فرمایا تھا کہ قدرت نے اپنے پوشیدہ راز کے اظہار کے
نشان شروع کر دیئے۔ خدیجہؓ نے معتبر کارندہ کی ضرورت سختی سے محسوس کی
اور حضور کی خدمت میں پیام بھیجا۔ چچا کی گفتگو قلب مبارک پر اثر کر چکی
تھی۔ منظور فرما لیا۔ اور خدیجہؓ کا نہیں قریش کا دولہا خدیجہؓ کے مال و اسباب
کے ساتھ سفر کی تیاریوں میں مصروف ہوا۔

ایفائے وعدہ

ابی الحمساء جن کی حیثیت اس وقت ایک معمولی
انسان کی تھی، اور آگے چلکر نہ صرف مسلمان بلکہ صحابیہ
رسول اللہ ہوئے بیان کرتے ہیں کہ ابھی دنوں ایک موقعہ پر میں نے کسی
معاملہ میں آپ سے یہ وعدہ کیا کہ "فلاں وقت بازار میں اس جگہ ملوں گا۔ میں یہ
کہہ کر بھول گیا۔ تیسرے روز جب میں اتفاق محض سے ادھر جا نکلا۔ تو کیا
دیکھتا ہوں کہ آپ حسب وعدہ میرا انتظار فرما رہے ہیں۔ (اس کے
یہ معنے نہیں ہیں کہ آپ نے وہاں سے قدم نہ سرکایا) میں یہ دیکھ کر
اور یہ سن کر کہ میرے وعدہ کے موافق منتظر ہیں، دنگ رہ گیا۔ اس وقت
قول و اقرار اور ایفائے وعدہ تو درکنار عرب یہ بھی نہ سمجھتا تھا کہ معاہدہ

کیا تحیر ہے اس واقعہ نے ابوالحسنات کو محو حیرت بنا دیا، اور چونکہ ان لوگوں میں یہ ایک ناممکن فعل تھا اس کی شہرت دور دور ہوئی اور ہر شخص تعجب اور حیرت سے آپ کے دیکھنے کا مشتاق ہوا اور بی بی خدیجہؓ نے اس تعلق میں خود ہی سبقت کی۔

ملازمت کا پہلا سفر جب آپ بصرہ کی طرف خدیجہؓ کا مال بغرض تجارت لے کر تشریف لیجانے لگے۔

تو بی بی خدیجہؓ نے اپنا غلام میسرہ آپ کے ساتھ کیا اور چلتے وقت اس کو ہدایت کی کہ رستے میں جو کچھ دیکھے حرف بہ حرف مجھ سے آکر بیان کیجیو۔

میسرہ سرکار دو عالم کی ہمراہی میں روانہ ہوا، چلتے چلتے آپ منزل مقصود سے ادھر ہی ایک مقام پر اترے یہاں گنجان درختوں کا ایک جھنڈ چھایا ہوا تھا۔ آفتاب کی تمازت کم ہو چلی تھی، اور عربی طیور زیتون کی شاخوں پر نوا سنجی کر رہے تھے۔ آپ کے ٹھیرتے ہی قافلہ کا قافلہ اتر پڑا۔ رستے میں آپ کا خلق اور سلوک دیکھ کر ہمراہی متحیر تھے اور کہتے تھے کہ ایسا آدمی تو دیکھنے میں کیا اور سننے میں بھی نہیں آیا جس درخت کے سایہ میں آپ نے قیام فرمایا اس کی شاخیں دور دور پھیلی ہوئی تھیں اور گو آبادی یہاں سے دور نہ تھی مگر پھر بھی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ قریب ہی ایک جھونپڑی تھی جس میں ایک بوڑھا شخص نسطورا اپنی زندگی کے دن خدا کی عبادت میں بسر کر رہا تھا، یہ شخص آسمانی کتابوں کا جید عالم تھا اور آرزو رکھتا تھا کہ جس پیغمبر کی پیدائش توریت وانجیل سے معلوم ہو رہی ہے۔ کاش! میری آنکھیں اس

جمال سے روشن ہوں۔ میں اس کے مبارک قدموں کو بوسہ دے کر زندگی ختم
کر دوں اور دنیا سے رخصت ہوں۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ خدا کا محبوب
اسی زمین پر پیدا ہو چکا ہے اور صبح و شام اس کی نبوت کی خبریں کانوں میں
پہنچنے والی ہیں۔ آپ کے غیر معمولی حالات سنتے ہی بی بی خدیجہؓ کی طرح اس
کو بھی خیال پیدا ہوا کہ آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہونے والا انسان معمولی بچہ نہیں
ہے۔ شام کا وقت تھا، کھیتر بکریاں چراگاہوں سے واپس ہو رہی تھیں اور چرواہے
بے فکری سے ترانے گاتے چلے آ رہے تھے۔ نسطورا باہر نکلا، تو دیکھا کہ ایک
شخص خاموشی کے ساتھ اس [illegible] کے وقت جب کہ وقت قافلہ کا سر
چھوٹا بڑا جنگل کو جا رہا ہے۔ بیٹھا ہوا کسی ذکر میں غرق ہے۔ نسطورا نے جب
اس چہرۂ اقدس کی زیارت کی اور میسرہ سے پوچھا "یہ کون ہے؟"
میسرہ نے جب مفصل حالات بتائے تو خوشی کے مارے اچھل پڑا اور کہنے لگا:
میری آرزو پوری ہوئی، اور جو حالات تم بیان کر رہے ہو ان سے میں یہ
سمجھتا ہوں کہ ان کو عنقریب خلعت پیغمبری سے سرفراز ہوگا۔ میں خوش نصیب
ہوں کہ زیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور خداوند میری دعا قبول فرمائے۔
جب یہ سرزمین بصرہ رات کی نقاب اوڑھ چکی اور اندھیرا ہر سمت چھا گیا، تو
قافلہ والے راگ و راگنیاں سنا کر بے خبر سو گئے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ
قانون قدرت کی لپیٹ میں تھا اور جب دنیا اپنی زندگی سے قطعی بے خبر ہو گئی
اور شب اوسط منزل پر پہنچی تو آسمان اپنی فضا میں موتی لٹا رہا تھا۔ ہوا
گنگنا رہی تھی۔ اس وقت نسطورا اپنے شوق کو ہاتھوں سے نہ دبا سکا
اپنے حجرے سے باہر آیا اور دیکھا کہ وہ انسان جس کی زندگی کے خوشنما پھول
کو قدرت پاکیزگی کی برداشت کے واسطے تیار کر رہی ہے۔ عالم استغراق

میں ہے۔ شوق نے ترغیب دی اور آرزوؤں نے مجبور کیا اور دل نے صدا دی کہ ان پاک قدموں کو سر پہ رکھ کر قربان ہوں مگر عقل نے پاؤں پکڑے اور قدوس قدوس کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

زندگی کی ہزاروں راتوں کی طرح نسطورا کی یہ رات بھی ختم ہوئی مگر یہ وہ رات تھی جس پر اس کو فخر تھا اور سمجھتا تھا کہ رات بھر خدا کا محبوب میرے خانۂ دل میں مہمان رہا ہے۔ جب آفتاب کی روشنی نے شب کا گھونگھٹ کھولا اور دھوپ کی چادر جنگل میں پھیلنی شروع ہوئی۔ تو قافلہ شہر میں پہنچا، اور خرید و فروخت شروع ہوئی۔ بی بی خدیجہؓ کا مال باقی تمام قافلہ کا اسباب ملا کر بھی زیادہ تھا۔ اور وقت کی بات تھی کہ نہایت اچھے داموں فروخت ہوا امید سے زیادہ اور توقع سے بڑھ کر نفع ملا۔ دوسرے چھوٹے موٹے تاجر جو پہلے ہی آپ کی کیفیت دیکھ دیکھ کر متحیر ہو رہے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ ابوطالب کے گھر میں کوئی گل کھلنے والا ہے اس پر متفق ہو گئے کہ وقت اور قدرت دونوں امین مکہ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ قافلہ اپنا مال بیچ کھوچ کر روانہ ہوا اور سرکار دو عالم مکہ واپس تشریف لائے۔

سرزمین عرب خاموش آنکھوں سے اپنے بچوں کے مطالعہ میں مصروف تھی اور آسمان دیکھ چکا تھا کہ ابراہیمی دعا کا ایک حصہ قبولیت کا لباس پہن چکا اور وہ گھڑی آئی بھی اور چلی بھی گئی۔ جب قریش کی لڑکی آمنہ کی گود میں وہ بچہ کھیلا، جس کی آرزو کی جھلک پہاڑ کی چوٹی پر خلیل کی چھری سے ظاہر ہوئی۔ اب آسمان و زمین دونوں اس وقت کے منتظر تھے جب قدرت کے ہاتھ اس پر نبوت کا تاج رکھیں۔ اور وہ قلب جس کو بوسے دیتی ہوئی آمنہ دنیا سے رخصت ہوئی اور جس کی سلامتی آج حلیمہ کی زندگی کا سب سے بڑا

ارمان تھا۔ پیغام خداوندی سے منوّر ہوا اور خدائی طاقت کے وہ الفاظ جن کا بوجھ سنگلاخ زمین کے کلیجے شق کر دے اور سر بفلک پہاڑوں کو سرمہ بنا دے اس پہ نازل ہوں۔

بی بی خدیجہ سے نکاح

امانت کا شہرہ دور دور پہنچا۔ دیانت کی خبریں چار دانگ عالم میں گونجیں، عرب کی آنکھیں گھبرا کر کھلیں اور سٹ پٹا کر دیکھنے لگیں۔ جب میسرہ نے حالات سفر بیان کئے اور خدیجہؓ کو معلوم ہوا کہ پانی کے ایک ایک قطرہ کا حساب موجود ہے بیوی خدیجہ کا تموّل مکہ ہی میں نہیں، آس پاس بھی جواب نہ رکھتا تھا۔ مگر دوسرے شوہر کے انتقال نے ان کو دنیا سے کچھ ایسا دل برداشتہ کیا تھا کہ وقت کا بڑا حصّہ خانہ کعبہ میں بیٹھ کر عبادت میں بسر کرتیں۔ ان کا خیال پہلے ہی تھا، عرب میں ایک پیغمبر کا ظہور ہونے والا ہے اور مظالم قریش کی سیاہ چادر کو عنقریب ایک نبوت چاک کرنے والی ہے۔ سرورِ کائنات کی حیات مقدس ان کے خیالات کو اس طرف منتقل کر رہی تھی۔ میسرہ کے بیانات اور حساب کتاب کی جانچ پڑتال نے خیال کو یقین اور یقین کو عین الیقین بنا دیا۔ وہ بھی اپنی خدا ترسی کی وجہ سے "طاہرہ" کہلاتی تھیں اور یہ وہ وقت تھا کہ عورتیں اپنے نکاح کے معاملہ میں آج کل کی طرح مقید نہ تھیں۔

بی بی خدیجہؓ سے نکاح کے خواستگار قریش کے اچھے اچھے سردار تھے۔ مگر وہ انکار کر چکی تھیں۔ ان کی دینی خدمات پہ نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ پیغمبری کے یقین نے، اور دنیوی کاروبار دیکھتے ہیں تو ماننے دیتی پڑتی ہے کہ دیانت کی ضرورت نے ان کو ترغیب دی کہ وہ حضور اکرمؐ سے نکاح کی خواہش کریں۔ بہر حال وہ ہو یا یہ بی بی خدیجہؓ نے اپنی خواہش کا اظہار دو

چار آدمیوں پہ گیا۔ جن میں ایک خاتون نفیسہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں
خدیجہ رشتہ میں سرورِ کائنات کی چچازاد بہن تھیں اور اسی وجہ سے نفیسہ
کو یقین ہو گیا کہ تحریک خالی نہ جائے گی۔ حضرت کے قدموں سے اٹھیں تو مسرت
انبساط کے خیالات میں خصوصی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور معاملہ
طے کیا۔ جب ان کلیوں کے کھلنے کا وقت آیا جن کی شگفتگی کا انحصار خطبۂ
نکاح کے الفاظ پر تھا تو مجلسِ عقد منعقد ہوئی۔ قربان ہم اور ہمارے ماں باپ
اس دولہا کے جس کی برات میں صداقت و راست بازی دست بستہ حاضر
تھی۔ اور نثار اس دلہن کے جو اس نکاح سے ہماری ماں بنی۔ برات ابو طالب
کے گھر سے چلی۔

خدیجہ کا دولہا، اسلام کا دولہا تھا۔ انسانیت جس کے قدموں میں لوٹ
رہی تھی۔ قریش کے بڑے بڑے سردار ہمراہ تھے۔ اور ابو طالب کی
سرکردگی میں ہمارا آقا، ہمارا مولا، ہمارا مالک، ہمارا بادشاہ، ہمارا ہادی،
اور رہبر دولہا بنا جا رہا تھا۔

قریشی دولہا ظاہری زیبائش سے محروم تھے۔ سہرا ہو نہ بدھی، گانا ہے نہ
طرہ۔ والے جو سمجھے کہ دولہا دیکھ کر نہال نہال ہو لی، قریب پہنچ گئی، اور بابا
جو بچہ کے گلرخ کو رشد دیکھ کر باغ باغ ہوتا، ابدی نیند سو گیا۔ دادا جس نے
بیٹے کی امانت کو کلیجے سے لگا کر رکھا رخصت ہو چکا۔ اب لے دے کر جو کچھ تھا ایک
چچا کا دم مگر زینتِ ظاہری کے علاوہ اس شادی میں کچھ اور بھی تھا۔ ابراہیمی
دعا کے ساتھ نبیوں کی بہشتی تمنائیں رقص میں ہمرکاب اور شوقِ آسمانی
کی نظریں ہمراہ تھیں۔ آفتاب جو تماشہ ہو رہا تھا سرعت کو شالی سے بدل چکا
تھا۔ ہوا خوشی کے سانسوں سے ٹھنڈے جھونکے خراماں خراماں برات کے

ساتھ تھی، لو کے تھپیڑے روپوش ہو چکے تھے اور راحت جھوم جھوم کر مبارکباد
کی صدائیں لگا رہی تھی۔ برات غروب آفتاب سے قبل دلہن کے مکان پر پہونچ
گئی۔ بی بی خدیجہ نے فراخ حوصلگی سے استقبال کیا۔ دو لونڈیاں درہم ودینار
سے بھرے ہوئے خوان سر پہ لئے کھڑی تھیں۔ برات مردانہ میں جا کر بیٹھی،
اور بی بی خدیجہ کی اجازت سے ابوطالب نے پانچ سو طلائی سکہ مہر پہ
خطبۂ نکاح پڑھایا۔

شام کو نکاح کی خبر خاندان بھر میں اور صبح کو جب حضور نے اونٹ ذبح فرما کر
ولیمہ کیا تو مکہ بھر میں اچھی طرح ہوگئی۔ بی بی خدیجہؓ کی عمر اس وقت چالیس سے
کچھ اوپر ہو گئی تھی۔ ان کے شوہر ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے گھر سے
رخصت ہو چکے تھے۔ سرور کائنات کا سن اس وقت پچیس سال کا تھا۔ اور یہ
وہ وقت ہے جب عمر کی کیفیت سے بڑھتا اور جوان ہوتا ہے۔ ارمان شباب
کی نغمہ سنجیاں زندگی کے تاروں میں ایسی بھرتی ہیں کہ پہلی تانوں کی یاد بڑھاپے
میں بھی حواس باختہ کر دیتی ہے اور جمعیت شباب کے جلسوں کا خیال آغوش
موت میں بھی کلیجے کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے۔ مکہ کی سرزمین جس وقت شرم و بے حیائی
کے شرارے اگل رہی تھی۔ جب آسمان سے برستے ظلم و ستم کی دھواں دھار
گھٹائیں امنڈ امنڈ کر برس رہی تھیں۔ جب نفس کی خدائی کا ہر قلب دور دورہ
تھا۔ جب چوری اور ڈاکہ ماں کا دودھ پئے ہوئے تھے۔ جب عیاشی اور بدمعاشی
انسانیت کا جوہر تھے۔ اس وقت ایک ایسے انسان کو جس کی بھرپور جوانی آنکھ
کھولتے ہی دنیا بھر کے سامان تعیش سے دوچار ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے تو ان
لوگوں کی خفی نگاہیں ہر شبیہ کو بشر اور کنایہ کر کے اب سمجھ چکی ہیں، اور ذرا سطح
بڑھتا ہے تو ان لوگوں سے جو شرکت بت پرستی کے گہوارہ میں جھول جھول کر

جوان اور عیاری و مکاری کا دودھ پی پی کر ہوشیار ہوئے ہیں کنبہ اور خاندان سے الگ عزیز واقارب سے جدا شہر اور ملک سے مختلف۔ معاشرت کو فنا صحبت کو غارت اور نفس کو کچل ڈالنا۔ ایک ایسے سمندر سے جس کا کنارہ تک نظر نہ آئے۔ ایک ایسی آگ سے جس کے شعلے زمین و آسمان کو خاک سیاہ کر رہے ہوں۔ صحیح وسالم اور پاک وصاف نکلنا اور بال بال بچا لینا ہر حیرت۔ تعجب اور اچنبا ہے اور حقیقتاً نبوت رسالت اور صداقت ہے۔

یہ وہ معجزہ ہے جس کے سامنے دنیا کے ہر مذہب کی تاریخ فراموش ہے فلسفہ اپنی کسوٹی پر پرکھے۔ سائنس ذرہ ذرہ کا تجربہ کرے۔ اس مقدس زندگی کا ہر لمحہ کندن کی طرح دمکے گا عقل انسانی اس دربار میں عجز سے سر جھکا دے گی۔ جب دیکھے گی کہ حسینان مکہ کی دل کش ادائیں اور مہ جبینان عرب کے غمزے باوجود انتہائی کوشش کے یتیم عبداللہ کا دل مسخر نہ کر سکے۔

پرداز وقت کے ساتھ قریش۔ اور قریش کے ساتھ تمام مکہ کی حیرت لحظہ بہ لحظہ بڑھ رہی تھی۔ جب وہ دیکھتے تھے کہ ہمارا اسباب تعیش اور سامان عشرت ایک تن واحد کے مقابلہ میں بے سود بے کار ہو گیا۔ بلکہ الٹے ہم اس کے قدموں میں جا رہے ہیں۔ اس کی صداقت ہمارے دل فتح کر چکی۔ اس کا خلق ہر متنفس کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ الحق عبدالمطلب کا پوتا انسان نہیں فرشتہ ہے۔ جس کا قدم حسن و دولت بھی اپنی جگہ سے نہیں سرکا سکتے۔

وطن کا شاید ہی کوئی باشندہ اس وقت ایسا ہو جو سرور کائنات کی صداقت کا کلمہ نہ پڑھ رہا ہو۔ حقیقی معجزہ یہی ہے کہ بے ایمان ایمان سے کام لے رہے ہیں۔

مقصد نکاح خدیجہ کے سامنے صرف یقین رسالت تھا۔ اور سرور کائنات کے سامنے چچا کی ہدایت۔ اس لئے بی بی خدیجہ کی محبت اپنے یقین میں ایک قسم

کی خدمت تھی جو سرورِ عالم کو رسالت کے واسطے تیار کر رہی تھی شفقت اور رحم عورت کی فطرت اور خمیر ہے جس کو حسن عقیدت نے آئینہ کر دیا تھا اور خاموشی کے ساتھ اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ جب قدرت اپنی رحمت و برکت نازل کرے اور حقیقت نبوت کا اعلان کر دے۔ وہ خوب سمجھ رہی تھیں کہ صداقت کے جس موتی نے اپنے چھاتی سے لگا کر وہ پرانی امانت کا سکہ بٹھا کر امین کا خطاب حاصل کر لیا، وہ ایک عالم کو ڈبکائے گا اور اچھی طرح جانتی تھیں کہ گو ابھی تک مطلع صاف ہے اور آسمان نبوت پر چاند کا ظہور نہیں ہوا۔ مگر شمع رسالت کے پروانے دور دور سے اڑ اڑ کر فدا ہو رہے ہیں، اور آمنہ کے لال کی آب و تاب صبح شام آنکھیں خیرہ کرنے والی ہے۔

معاملہ داری جب واقفیت کی حسین پریاں حقیقت کے خوشنما پروں سے اڑتی ہوئی سامنے آتی ہیں اور فانی زندگی کے پردے اٹھ جاتے ہیں تو ایمان کی آنکھیں جو سماں دیکھتی ہیں دل اس پر پروانہ نثار ہوتا ہے عقل اور ایمانوں پر رشک کرتی ہے جو شرک ہو کر بھی محبت کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ ان کی خوش نصیبی کے قدموں کو تاریخ آج بھی بوسے دے رہی ہے۔ انسانیت کے ان جوہریوں نے مکہ کو رول کردہ گوہر آبدار آنکھوں پر رکھا جس کی چمک کا دنیا انتظار کر رہی تھی۔

آنکھ والا انسان جس وقت انسانی زندگی مہنگا سودا نہ سمجھی جاتی تھی جب چند نقرئی سکوں پر قتل و غارت کے بازار گرم ہو رہے تھے تو ایک شخص حکیم بن حزام کعبہ کے پاس سے گزرے جہاں نیلام ہو رہا تھا، اور بیش قیمت اشیاء کوڑیوں کے مول جا رہی تھیں اور یہ وہ وقت تھا کہ عزیزِ عزیزوں سے اور بھائی بھائیوں کا ایک ایک پیسہ

اس حالت میں اور اس فضا میں ایک ایسے انسان کا وجود دولت کو ٹھکرا رہا ہے شرک کو مٹا رہا ہے اور سچائی کی تلقین کر رہا ہے یہ ایسا معجزہ ہے جس پر عقل سلیم اس وقت ایمان لائی اور سائنس اور فلسفہ آج سر بسجدہ ہیں۔

غار حرا میں عبادت

پندرہ برس کا زمانہ یا یوں ہی باتوں میں ختم ہو گیا جو مراقبت اور سلوک اور اسا دلینا میں ہوا خدا ہم سب اونڈی غلاموں کو نصیب کرے جس طرح ام المومنین نے سرور عالم کے ہر ارشاد کی تعمیل میں دل و جان سے کوشش فرمائی اسی طرح حضور انور بی بی خدیجہ کے ہر مشورے اور رائے پر ہمیشہ عمل کرنے کے واسطے تیار اور آمادہ رہتے۔ ایسا ہوتے کا زمانہ قریب آ رہا تھا اور وہ ساعت سر پر تھی جب قلب مبارک پر وحی کا نزول ہو۔ بی بی خدیجہ کو بچپن کے وہ الفاظ یاد تھے کہ خدا کا وہ نورانی فرشتہ جو دوسرے نبیوں کے پاس آیا آمنہ کے لال پر نازل ہو گا یہ وہ دن تھے کہ حضور اکرم بستی بستی اور شرک سے اکتا کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور گوشہ نشینوں اور دونوں خدا کی یاد میں منہمک رہتے۔ انسانی دماغ اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتے قلم اور زبان اس حالت کو بیان کرنے سے عاجز ہے جو گزر رہی تھی اگر یہ کیفیت ندیوں اور نہروں سے سیراب ہوتے ہیں سمندر اگر باغ میں آ جائے تو شاید ایک ہی لہر باغ کے اثر وں پر دور کا خاتمہ کر دے۔ ایک انسانی قلب کے واسطے پیغام خالق کے بار برداشت آسان نہ تھی اس لئے قدرت رفتہ رفتہ، اور آہستہ آہستہ قلب مبارک کو اس نقطہ پر لا رہی تھی کہ وہ طاقت جو آسمان و زمین کے ٹکڑے اڑا دے اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے پھول کی طرح نازل ہو اور ہوا کی طرح تیر جائے وقت کا بڑا حصہ اسی تاریکی

میں بسر ہو رہا تھا دن کی بھی گھڑیاں اور رات کی طویل ساعتیں اسی دھن میں گزرتیں گھڑیوں اور گھنٹوں دنوں اور راتوں تاج نبوت کا یہ درشہوار جنگل و بیابان میں تیرہ و تاریک غار میں تن تنہا چمکتا اور دمکتا، پہاڑ کی سنسان چوٹیاں اس وقت جب دنیا عالم خواب میں ہوتی، اور عربستان کی مخلوق آدمی اور جانور نیند کا دورہ پورا کرتے، سرکار دو جہاں کے استقبال کو آگے بڑھتے آسمان و زمین کی پیدا وار درود کی صدائیں بلند کرتی اور ہوا کے جھونکے باآواز بلند سلام پہنچاتے، بی بی خدیجہ کی خاموش آنکھیں جن کے سامنے فضائے عرب کی تاریکی میں یقین کو نورانی شمعیں روشن تھیں، ذرا لطف کے موتی اس طرح لٹاتیں کہ تھوڑا سا کھانا ساتھ کر دیتیں اور روحانیت کے اس دربار میں جہاں مادیت کا گذر نہ تھا جب فطرت اپنے مطالبہ کا تقاضا کرتی تو بی بی خدیجہؓ کا یہ تحفہ جو اور نمک کی صورت میں نفس کی تسکین کر دیتا۔ خلقت تاریکیٔ شب میں وجود خالق کا پتہ لگاتی۔ اور دل جذبۂ شوق میں منزل مقصود پہ پہنچنے کی کوشش کرتا۔

پہلی وحی کا نزول

ایک روز جب قلب پر نور خداوندی کی جھڑی لگی ہوئی تھی، غار حرا جگمگا اٹھا اور وہ نورانی فرشتہ جس کو آسمانی کتابیں جبرئیلؑ کے نام سے پیش کر رہی ہیں نازل ہوا۔ وہ جلوہ جس نے طور پہ موسیٰ کو بے ہوش کیا۔ آج وحی کی صورت میں زمین حرا پر معلق تھا۔ عقل انسانی کا تحیر و استعجاب خوف و ہراس میں تبدیل ہو رہا تھا کہ فرشتہ نے قریب پہنچ کر رسالت کا اعلان کیا اور درخواست کی کہ کچھ پڑھو۔ محبوب

رب العالمین کا جسم اطہر تھر تھر کانپ رہا تھا اور فطرت انسانی نے جس کو کوئی طاقت زائل نہ کر سکتی تھی۔ ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔

"میں پڑھ نہیں سکتا"

جبرئیل نے قریب پہنچکر گود میں لیا اور بھینچ کر کہا :۔

"اے پیغمبر! قرآن جو وقتاً فوقتاً تم پر نازل ہوگا اپنے اس پروردگار کا نام لے کر پڑھو جو مخلوق کا خالق ہے۔"

نبوت ہو یا رسالت اور عشق ہو یا محبت قدرت کے قانون کو کوئی طاقت نہیں جو اپنی جگہ سے سرکا سکے۔ جب بچہ کے سر سے باپ کا سایہ پیدائش سے قبل ہی اٹھ چکا، ماں بچپن کی بہار دیکھنے سے پہلے ہی رخصت ہوئی۔ دادا کی آغوش تربیت سے بھی دور رہنا پڑا اور تعلیم پر کوئی توجہ کرنے والا نہ رہا وہ کس طرح پڑھتا، اب اس کے سوا جب فرشتے نے کہا پڑھ، کوئی جواب نہ تھا کہ :۔

"میں پڑھا ہوا نہیں ہوں"

فرشتے نے تین دفعہ بھینچا اور وہی زبان مبارک سے کہلوا کر غائب ہوگیا مسلمان اگر یہ نہ کہیں کہ ان کے ہادی کو اُمّی کہنے میں قدرت کا ہاتھ اسلئے شامل تھا کہ معجزات کا وزن جو اس ذات مقدس سے متعلق تھے زیادہ ہو جائے تو ان کو اس دعوے میں تامل نہیں ہو سکتا کہ یہ وہ دور تھا جب عرب کے کونہ کونہ اور چپہ چپہ سے علم و فضل کے دریا بہہ رہے تھے۔ لٹریچر یعنی ادب کا ایسا سکہ چل رہا تھا کہ گھر کی لونڈیاں تک فصاحت و بلاغت کے نوے جگمگا رہی تھیں۔ شاعری بچے بچے کے زبان پر تھی اور مضامین کے ایسے چشمے ابل رہے تھے جو اس سے پہلے یا اس کے بعد عرب کو نصیب نہ ہوئے، دعوے کے واسطے ثبوت لازمی

ہے اور اس حقیقت سے انکار آسان نہیں ہو سکتا کہ معجزے میں قدرت نے
وقت کے مذاق کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور یہی عقل سلیم کا تقاضا تھا۔ اس وقت
جب شاعری کی زمین اپنی فصاحت کا نقارہ آسمان پر بجاتی تو بلاغت کے
موتی چاند کو آنکھ دکھلاتے اور ملک کے ہر گوشے سے قابلیت کے نعرے
بلند ہوتے۔ مرثیہ اور رجزیات کا دور دورہ تھا۔ نرالی شستگی تھی جس پر بڑی بڑی
المختصر لونڈی اور غلام تک اسی نشہ میں مست تھے۔ گھر میں یہی چرچا اور
بازار میں یہی مذکور۔ ان حالات میں معجزہ اس سے بہتر اور کیا ہوتا کہ خود
فصاحت و بلاغت ہونٹوں پر قربان ہوتی۔ اچھے اچھے ناظم و ناشر دربار
نبوت میں گردنیں جھکا دیتے اور بڑے بڑے فصیح و بلیغ اس ذات مقدس
کا کلمہ پڑھتے یہ ہی کلام الہٰی کا معجزہ تھا جو وحی سے شروع ہوا اور جس
کے کمال نے تمام عرب میں اپنا ڈنکا بجا دیا۔

غار حرا سے لوٹ کر آئے تھے مگر اس واقعہ نے جسم اطہر میں تھرتھری پیدا
کر دی۔ کانپتے ہوئے باہر تشریف لے آئے۔ اور ڈرتے ہوئے گھر
پہنچے۔ چہرۂ انور کا رنگ زرد تھا اور قلب مبارک پر خوف و ہراس
کے آثار نمودار۔

ایک عیسائی عالم بشارت دیتا ہے

بی بی خدیجۃ الکبریٰ یہ کیفیت دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ لٹا کر کپڑا
اڑھایا اور ماجرا پوچھا۔ حقیقت سنی تو اس لئے کہ کتب آسمانی پر عبور
تھا اور دل گواہی دے رہا تھا کہ اس لازوال نعمت کا ظہور میری
آغوش میں ہونے والا ہے۔ فوراً سمجھ گئیں۔ تسلی دی۔ تسکین کی اور اپنے ساتھ

ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو اپنے تقدس کے اعتبار سے دور دور مشہور تھا۔ اس وقت عیسائیت خدا کے کلام سے مالا مال تھا اور عرب اس سے قطعی محروم۔ ورقہ کیفیت سنتے ہی سمجھ گیا اور کہا کہ خدا کا وعدہ پورا ہوا اور جس بشارت کا انتظار تھا، وہ ظاہر ہو گئی۔ بے ساختہ قدوس قدوس چلا اٹھا سرور عالم کے حضور میں جھکا، اور عرض کیا :-

بشارت خداوندی آج پوری ہوئی۔ تم خدا کے رسول ہو مگر یاد رکھو کہ زندگی کی سخت گھڑی آنے والی ہے اور اس کا ظہور اس وقت ہوگا، جب تمھاری اپنی قوم تم کو گھر اور وطن سے نکالے گی، اور طرح طرح کی اذیت دیکر جینا وبال کر دیگی۔ اے عبد اللہ کے بیٹے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا اور تمھاری مدد کرتا۔

سخت سے سخت مورخ کے ہاتھ میں بھی اس وقت رعشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جب یہ وہ دیکھتا ہے کہ ورقہ کے الفاظ پاک دماغ انسان پر تیر کا اثر کرتے تھے اور حیرت زبان سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے۔

"کیا سچ میری قوم میرے ساتھ ایسا سلوک کرے گی۔ میں نے تو ان کے ساتھ کبھی برائی نہیں کی بلکہ ہمیشہ ہر دکھ سے بچاتا رہا ہوں۔"

ورقہ کی دعائیں لیتے رسول عربی گھر لوٹے۔ [illegible] بی بی خدیجہ سرور دو عالم کو واپس لے آئیں۔ ورقہ کی باتوں کا جب خیال آتا تھا تو سوچتے فرماتے تھے کہ میں نے آج تک قریش کو کوئی اذیت نہیں دی، پھر لوگ کیوں دل سے میری مخالفت پر کمر بستہ ہونگے۔ بی بی خدیجہ تسلی دیتیں اور کہتیں آپ مطلق ہراساں نہ ہوں آپ اہل مکہ اور قریش ہی کے ساتھ نہیں تمام انسانوں کے ساتھ سلوک کرتے ہیں۔ خدا ہرگز آپ کے سامنے ایسا نہیں آنے دیگا آپ کی امداد کرنے والا ہوگا۔ غریبوں

اپاہجوں کے زخم آپ کے مرہم خلق سے اچھے ہوئے۔ بدنصیبوں اور مصیبت کے ماروں کے قلب آپ کی ہمدردی کا کلمہ پڑھ رہے ہیں۔ جنگ و جدل کے میدان آپ کی بدولت خونریزی سے محفوظ رہے۔ لڑائی جھگڑوں کی مجلسیں آپ کے طفیل دنگے فساد سے پاک رہیں۔ یتیم بچوں کی زبانیں اور رانڈ بیواؤں کے دل آپ کے احسانات کے گیت گا رہے ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ قریش جو آپ کے ممنون کرم ہیں آپ کی عداوت پہ کمربستہ ہوں۔ یہ خیال دل سے نکال دیجئے اور اطمینان رکھئے کہ عرب آپ کی ہر صدا پر لبیک کہے گا اور آپ کی کوشش میں برابر کا شریک ہوگا۔

پہلے تین مسلمان

جس برگزیدہ ہستی نے حضور اکرمؐ کے رسول برحق ہونے کی سب سے پہلے تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائیں، وہ آپ کی بیوی حضرت خدیجۃ الکبریٰ تھیں۔ ان کے بعد آپ کے چچازاد بھائی ابوطالب کے بیٹے حضرت علیؓ جو اس وقت بچے تھے مسلمان ہوئے۔ تیسرے مسلمان آپ کے عزیز دوست حضرت ابوبکرؓ تھے۔ اور ان کا اسلام کا قبول کرنا معجزہ سے کم نہیں۔ اس وقت جب سرور عالم کی پیغمبری کا شہرہ عرب میں گونج رہا تھا، اور ہر کہہ و مہ کی زبان پر یہی چرچا تھا تو مکے سے باہر تھے۔ واپس ہوئے تو ایک لونڈی نے کہا، کچھ اور بھی سنا عبداللہ کے لڑکے خدیجہؓ کے شوہر محمدؐ نے وحی کا دعویٰ کیا ہے۔" ابوبکرؓ اتنا سنتے ہی اٹھے اور سیدھے خدمت اقدس میں پہنچے۔ حضورؐ باہر تشریف لائے۔ کچھ فرمانا چاہتے تھے کہ انھوں نے کہا:۔

"پہلے میرے اس سوال کا جواب دیجئے کہ یہ جو کچھ مشہور ہو رہا ہے کہاں تک صحیح ہے۔" سرکار دو جہاں نے فرمایا۔" ہاں صحیح ہے۔" ابوبکرؓ بے ساختہ بولے اور کہا۔ میرا ایمان ہے کہ آپ نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اس

لئے آپ کا ارشاد درست ہے اور میں ایمان لاتا ہوں "کہ تو خدا کا رسول ہے۔

جس ملک میں اور جس شہر میں ہر گھر بلکہ ہر انسان کا ایک خدا کا وجود تھا وہاں ایک خدا کی تلقین شروع ہوئی۔ سنگلاخ زمین، اور آتشیں ریگستان آب رحمت سے سیراب ہوئے اور رحمۃ اللعالمین کی رسالت کا ڈنکا چاروں طرف بجنے لگا۔ ضد اور ہٹ، پیچ اور اکڑ عرب کا خمیر تھا، اپنے خداؤں پہ باپ دادا کے خداؤں پہ جب لعنت پڑنے لگی تو آپے سے باہر ہو گئے۔ چھریاں مگرد سے، نیزے ہاتھوں سے، اور زبانیں حلق سے باہر آگئیں، اس وقت آبادی کا شاید ہی کوئی متنفس ایسا ہو جو حضور اکرمؐ کی جان کے درپے نہ ہو جسمانی اذیتیں انتہا کو پہنچ گئیں، روحانی تکالیف کا اندازہ نہ رہا۔ مرد عورتیں اور بچے بوڑھے رات کو اس فکر میں سوتے کہ کسی طرح آمنہ کے لال کو خون میں نہلادیں اور صبح کو یہ قصد لیکر بیدار ہوتے کہ آج عبداللہ کے یتیم کا جھگڑا پاک کریں گے۔

اس عشق کو محبت کو مٹا کر اس تعلق اور واسطہ کو ہٹا کر جو ہم کو سرور دو جہاں کی ذات مبارک سے ہے جب واقعات پہ ہم نظر ڈالتے ہیں اور عقل کی رہنمائی میں قدم آگے بڑھاتے ہیں، تو زبان یہ کہہ کر خاموش ہو جاتی ہے کہ "خدا کا فضل تھا، انعام تھا، نورِ خدا تو تھا۔"

ورقہ کی رائے صحیح ثابت ہوئی، اور وہ وقت آیا کہ قریش خون کے پیاسے ہو گئے۔

حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا

اعمالِ انسانی کی بہترین کسوٹی اس کا اپنا گھر محلہ اور وطن ہے۔ وہ اپنے نقائص اور عیوب، کمزوریاں، اور معائب فراموش کر دے لیکن عزیز و اقارب دوست احباب، ہمسایہ پڑوس ایسا آئینہ ہے کہ جن میں ہر فعل کا عکس زندہ و

سلامت اور جیتا جاگتا موجود رہتا ہے حضور اکرمؐ کی صداقت کا آغاز اسی جگہ سے ہوتا ہے جیسا دشمن بھی امانت کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ عمرؓ جیسا بہادر دشمن جس کی تلوار سے خون ٹپکتا اور جس کے نام سے عرب تھراتا تھا، بھری مجلس میں یہ وعدہ کرکے اٹھتا ہے کہ عبداللہ کے لڑکے کا سر ابھی لاتا ہوں۔ تلوار لے کر باہر نکلتا ہے اور بہن کے ہاتھ میں کلام الٰہی کی آیات دیکھ کر اٹھتا ہے کہ :-

"یہ انسانی کلام نہیں خدا کا کلام ہے"۔

عمرؓ کی شخصیت جو آگے چل کر فاروق اعظم کے لقب سے مشہور ہوئی۔ ایک چنگاری تھی جس نے قریش کے صبر و عقل کے شعلے آسمان تک پہنچا دیئے۔ زمین کا چپہ چپہ محبوب رب العالمین کے خلاف ہو گیا اور جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ رستہ میں گڑھے اور اندھے کنویں کھودے جانے لگے، تو سرور عالمؐ نے اس گروہ کو اس طرح مخاطب فرمایا :-

میں تم ہی لوگوں میں پلا اور بڑھا چھوٹے سے بڑا تمہارے سامنے ہوا بچپن تمہارے بیچ جوانی سے بدلا۔ اگر میں نے کبھی جھوٹ بولا ہو یا کوئی غلط بات میری زبان سے نکلی ہو یا میرے اعمال و اقوال میں کوئی فرق دیکھا ہو تو سمجھ لو کہ میں جو کچھ کہتا ہوں وہ غلط ہے ورنہ یقین کر لو کہ عبادت کے قابل صرف وہی ایک ذات ہے جس کی طرف میں تم کو بلا رہا ہوں غضبناک گردنیں پھر کر انھیں اور غیظ آلود نگاہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، خاموش زبانیں کھلیں، اور کہا یہ صحیح ہے کہ تو نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور یہ بھی درست ہے کہ تجھ سے کسی کو اذیت نہیں پہنچی اور یہ بھی سچ ہے کہ ہماری آنکھوں نے تجھ میں کوئی خرابی نہیں دیکھی مگر یہ کیا کم ہے کہ تو ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے اور ہمارے باپ دادا کے رستے کو غلط بتا رہا ہے۔ کیا اب بھی تو ہم سے توقع رکھتا

ہے کہ ہم تیرے ساتھ بھلائی کریں گے، اور تجھے زندہ چھوڑ دیں گے۔"

قرآن مجید کے معجزے کے بعد جو آج چودہ سو برس سے ڈنکے کی چوٹ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ تم کو اس کتاب کی صداقت میں شبہ ہو تو اس جیسی ایک سورت بنا دو، دوسرا معجزہ یہ ہے کہ دشمن وا نستہ نہیں، ہاں مگر زبان صداقت اثبات کرنے اعتراف پر مجبور ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا اسلام معجزہ تھا، حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا بھی معجزہ سے کم نہیں۔

حیات مقدس کے شاداب پھولوں کی پنکھڑی نے نہ صرف گھر والوں کے دل و دماغ بلکہ تمام فضا کو معطر کر دیا۔ ابو طالب جن کے گھر میں حضورؐ نے بچپن کا وقت بسر فرمایا، ان کی لونڈی کہتی ہے کہ "گھر کے سب بچے ہر وقت لڑتے رہتے تھے۔ جب کھانے پینے کی چیزیں آتیں تو چھین جھپٹ کرتے۔ مگر آپ نے کبھی توجہ نہ فرمائی۔ جو ملتا وہ لے لیتے، جو دیا جاتا اس پر قناعت فرماتے۔ غل غپاڑہ سے نفرت۔ لہو لعب سے بیزار۔ ہر وقت خاموش کسی خیال میں مستغرق۔

حضرت حمزہؓ کا اسلام

قدرت نے پھول کی خوشبو صرف چمن تک محدود نہیں رکھی۔ بلبل بیمار کا نالہ جب یاد دلدار میں بلند ہوتا ہے تو دیکھنے والی آنکھیں اس کے ساتھ روتی ہیں اور دل دل تڑپ تڑپ کر اس کی صدا کا استقبال کرتے ہیں۔ قریش کے وہ افراد جو یتیم عبداللہ کو آنکھوں پر جگہ دے چکے تھے۔ اور شب و روز قربان ہو رہے تھے۔ اپنے شیوہ کے خلاف اپنے بھائیوں کے مظالم کی تاب نہ لاسکے، مگر تعداد میں تھوڑے۔ طاقت میں کم اور برادری میں کمزور تھے۔ بیکار چیختے، بے سود بلبلاتے اور بے فائدہ مقابلہ کرتے۔ حضور اکرمؐ کی تلقین لمحہ بہ لمحہ ترقی کر رہی تھی۔

ایک روز جب پردۂ کائنات سے آفتاب کی ابتدائی گھڑیاں کھیل رہی تھیں، خدا کا رسول کعبۃ اللہ کے پاس خاموش بیٹھا اپنے خدا کی یاد میں غرق تھا کہ ادھر سے ابوجہل کا گذر ہوا۔ وہ قریب آیا سخت گالیاں دیں اور کوئی غلیظ لفظ ایسا نہ تھا جو زبان پر نہ لایا ہو۔ بشریت چشم مبارک میں آنسو بن کر بھرنے لگی جس کو یاد کر رہے تھے۔ اس کی طرف آسمان کو دیکھا۔

نگاہ محبوبانہ معلوم کائنات سماوی میں قدرت کے ساتھ کس کس کے جگر کو چھلنی کر گئی ہوگی۔ ازلی و ابدی طاقت اپنے محبوب کی حمایت کو اپنے قانون کے تحت میں اٹھی۔ حمزہؓ حقیقی چچا جو قریش کے نمونہ تھے شکار سے واپس ہوئے تو ان کی لونڈی نے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا "تمہارے بھتیجے محمدؐ کو ابوجہل نے بلاوجہ ایسی گالیاں دیں کہ میں تھرا گئی۔ قربان اس کی مظلومیت و معصومیت کے جواب صرف ایک ٹھنڈے سانس سے دے کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔"

قدرت خداوندی اپنا کام کر رہی تھی۔ حمزہؓ جو کل تک دشمنوں کے ساتھ تھے اتنا سنتے ہی غصے سے لال ہوگئے۔ اور کمان ہاتھ میں لئے سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے، اور کہا:-

"بدمعاش تیری نالائقیاں حد سے گذر گئیں۔ تو سمجھتا ہے بنی ہاشم مر گئے اور عبداللہ اور عبدالمطلب کے بعد محمدؐ کے سر پر کوئی نہ رہا۔ ابھی میں تیرا سر کچلنے اور تیرے حمائتیوں کو تہ بالا کرنے کے واسطے زندہ ہوں۔"

اتنا کہہ کر حمزہؓ نے اپنی کمان اس زور سے ماری کہ ابوجہل کا سر پھٹ گیا۔ اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ ابوجہل اپنی غلطی کا اقرار کرتا، مگر نگاہ محبوب آسمانی کلیجے توڑ چکی تھی، اور خالق الموجودات کے حضور سے خالی آنے والی نہ تھی جو انکار

قریش کا گروہ اُدھر ابوجہل کے ساتھی حمزہ اور ابوجہل کے تیور دیکھ رہے تھے، کہ حمزہ نے باآواز بلند کہا۔ ابوجہل غور سے سن میں محمدؐ پر ایمان لاتا ہوں اور مسلمان ہوتا ہوں
حضرت حمزہؓ کے اسلام نے دبی ہوئی چنگاریوں میں آگ لگا دی خاموش دشمن بھی میدان میں آ گئے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی، کہ حبیب خدا کا محبوب اور آمنہ کالال اپنا سر درگاہ رب العزت میں جھکاتا تو جفا شعار غلاظت کے ڈھیر اور مُردہ جانوروں کی آلائش سر پر اس طرح رکھ دیتے کہ سر اٹھانا مشکل ہو جاتا۔

بی بی خدیجہؓ اور ابوطالب کا انتقال

ایک طرف نبوت کے مراحل بتدریج پورے ہو رہے تھے اور دوسری طرف قدرت اپنے قوانین کی تکمیل کر رہی تھی کہ رسالت کی طاقت اور کامیابی کا وزن اتنا زیادہ نہ ہو جائے کہ تکالیف کا خاتمہ شان نبوت کو ہلکا کر دے۔ عمر اور حمزہ کے اسلام نے قلب مبارک کو جو تسکین دی اسکی کسر یوں نکلی کہ خدیجہ جیسی رفیق زندگی، اور ابوطالب جیسے مربی و سرپرست کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ان دونوں سانحوں نے جو اذیتیں پہنچائیں، وہ نہایت جگر خراش ہیں۔ ملنا جلنا کھانا پینا لین دین خرید و فروخت سب بند کر دی۔ اور مٹھی بھر مسلمانوں پر وہ وقت آیا کہ اناج کے دانے اور پانی کے قطرے بھی میسر نہ آتے تھے اور کیفیت دنوں اور مہینوں نہیں برسوں رہی کہ سردار دو عالمؐ اور ان کے کلمہ گو کھانے پینے کو محتاج ہو گئے مگر تکالیف کے اس انبار اور اذیت کے اس مجموعے نے بھی قدم نہ ڈگمگائے، اور مقصد کی تلقین پہلے سے بھی زیادہ فرمانے لگے۔

مدینہ پر اسلام کا اثر

حج کا موسم تھا۔ مدینہ والے حج کرنے آئے تو حضور اکرمؐ نے انکے سامنے اسلام پیش کیا

ان میں سے سات آدمی مسلمان ہوئے اور جب گھر واپس آئے اور بہت سے لوگوں کو سرورِ عالم کی زیارت کا شوق ہوا۔ ان میں سے ایک شخص سعد بڑے قبیلے کے سردار تھے مصعب نے جو مسلمان ہو چکے تھے، انکے سامنے قرآن پڑھا، وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ رونے لگے اور فوراً مسلمان ہو گئے۔ انکے ساتھ تمام قبیلہ مسلمان ہو گیا، اور مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد مکہ سے بھی زیادہ ہو گئی۔

ہجرت

ترکِ وطن ایک ایسی اذیت ہے جسکا اثر صرف موت ہی قلب سے زائل کر سکتی ہے کہتے ہیں کہ خدا چڑیا کا گھونسلہ بھی نہ اُجاڑے مگر محبوب رب العالمین نے جو مصائب برداشت فرمائے اور فرما رہے تھے ان میں ایک چیز باقی تھی کہ وطن کو خیرباد کہتے اور جس زمین پر اور جس گھر میں پرورش پائی تھی اس کو حیرت سے دیکھتے ہوئے رخصت ہوتے یہ وقت بھی آگیا، اور جب منافقوں کا کینہ حد سے آگے بڑھ گیا اور مسلمان تڑپ اٹھے تو آپ نے مدینہ کی ہجرت کا حکم دیدیا اور یہ لوگ وہاں جا کر بس گئے منافقوں کو اس پر بھی صبر نہ آیا اور جان کے درپے ہو کر فیصلہ کیا۔ کہ کسی دن رات کے وقت سوتے میں قتل کر دو یا علی الصباح کعبۃ اللہ کے راستہ میں۔ اس رائے پر سب متفق ہو گئے اور وہ دن آیا جس کی رات یا رات کی صبح اس مقصد کی تکمیل کرتے۔

صدیق کی درخواست

دورِ حاضرہ اگر یہ تسلیم نہ کرے کہ روحانی اعانت کا کائنات میں وجود ہے تو اس دعوے کے روبرو گردن جھکانی پڑے گی کہ جس صبح کو یہ مشورہ طے ہوا اسی دوپہر کو آمنہ کی گود

میں کھیلنے والا لال، اور حلیمہ کے دودھ سے پلنے والا چاند ابوبکرؓ کے گھر بے وقت اور خلاف عادت پہنچا اور فرمایا :- "میں مدینہ جاتا ہوں"
حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "اجازت دیجئے کہ میں بھی ہمرکاب ہوں" سرکار عالم نے فرمایا "اچھا" اس اجازت میں نہ معلوم کیا مسرت پوشیدہ تھی اور صدیقؓ کی محبت میں عشق کا کونسا جذبہ شامل تھا کہ مسرت کے لاتعداد آنسو آنکھوں سے نکل کر پائے اقدس پہ قربان ہوئے۔

شیر خدا کی قربانی

حیات مقدس کے پاکیزہ اوراق اب وہ گزرا ہوا وقت ایک دفعہ اور سامنے لاتے ہیں جب آل غالب کا مجمع بیٹھا ہوا ہے۔ نبوت کا ابتدائی وقت ہو اور ایک جم غفیر قتل پہ کمربستہ ہے۔ تبلیغ کے بعد حضور فرماتے ہیں کہ "تم میں سے کون خدا کی راہ میں میرا ساتھ دے گا۔" بڈھے اور جوان سب خاموش تھے کہ ایک دس برس کا بچہ کھڑا ہوا، اور کہا :-
"اے خدا کے رسول میں دل و جان سے حاضر ہوں اور اس سے زیادہ کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ ننھی سی جان تیرے قدموں پہ قربان ہو۔"
یہ معصوم بچہ علی ابن ابی طالب تھا جس کی بے گناہ زبان حقیقت کی ترجمان اور جس کا جذبہ محبت تلوار کی طرح منافقین کے حوصلوں کو ذبح کر رہا تھا اس وقت سینہ پھٹے ہوؤں نے خدا کے شیر کی ہنسی اڑائی مگر قدرت نے فیصلہ کر دیا کہ یہ شقی القلب جو آمادہ تضحیک ہیں اسی بچہ کے سامنے دانت پیسیں گے۔ اس کے الفاظ پورے ہوں گے اور اپنی جان پیش کر کے دنیا کو دکھا دیگا کہ کس طرح خنجر آبدار خلوص کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور بڑی بڑی طاقتیں عاجز و لاچار ہو کر بیکار ہو جاتی ہیں۔

رات سر پہ پہنچی اور وہ یہ رات تھی جس کی دوسری منزل محبوب خدا کا فیصلہ کرتی۔ اس وقت سرورِ دوجہاں نے حضرت علی پہ اپنا خیال ظاہر فرمایا اور کہا :-

"تم میرے بستر پہ سو جاؤ"

آدھی رات کے سنسان وقت میں جب فانی دنیا کے چھوٹے شیدا آستانۂ سرکار کے باہر ٹوہ لگا رہے تھے۔ سردارِ دوجہاں باہر تشریف لائے۔

آسمان عقل کے اندھوں پہ کھلے ہوئے دانتوں سے ہنس رہا تھا، اور زمین جفا کاروں کو تھپک رہی تھی۔ کسی نامعلوم طاقت نے دشمنوں کی آنکھوں میں خاک جھونکی اور ان سب کی نگاہوں میں سے خدا کا پیارا قدرت کی حفاظت میں مکہ سے روانہ ہوا۔

منافقین کی بائیں پہ صبح صادق کھلکھلا کر ہنسی، مجمع اندر گھسا تو دیکھا کہ جس بچے کے الفاظ کو وہ صفا کی چوٹیوں پہ گونجتے تھے وہ بستر استراحت پہ ہے۔ آپ سے باہر ہو گئے گھسیٹتے ہوئے کعبہ تک لائے اور قصد کیا کہ اس کے خون سے اپنی آگ ٹھنڈی کریں۔ مگر قدرت خداوندی کو ابھی معصوم الفاظ کی تکمیل باقی تھی وہ خود ہی بگڑے اور کہا :-

"اس کے قتل سے کیا حاصل، محمدؐ کو راستے میں پکڑو اور قتل کرو۔"

غارِ ثور کا رفیق

حضرت ابوبکرؓ جن کی صداقت پر رسالت گواہ ہے ہمرکاب تھے۔ اس خیال سے کہ دشمن پیچھا نہ کرے، سرورِ عالم نے راہ میں ایک جگہ قیام فرمایا۔ یہ ایک غار تھا جس کا نام ثور ہے۔ اس راز کا علم حضرت صدیقؓ کے لڑکے اور لڑکی کو تھا جو شام کو خاموشی سے کھانا پہنچاتے تھے۔ خوش نصیب تھا غار ثور اور اس کے اینٹ

پیغمبرِ حق کو ایسے جلیل القدر انسان کی مہمان نوازی کا فخر حاصل ہوا۔ رسالت اور صداقت کا فرق مسلمانوں کو غارِ ثور نے بتایا اور ہم نے اس کسوٹی پر دیکھا کہ افضل البشر اور رسولِ ہاشمی میں کیا فرق تھا۔ فطرتِ انسانی دونوں دلوں میں کام کر رہی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیق نے فرمایا کہ "اعدا کی تعداد زیادہ ہے اور ہم دو ہیں"۔ رسالت مآب کا جواب یہ تھا:-

کہ "ہم دو نہیں، تیسرا ہمارے ساتھ خدا ہے"۔

یہی ہوا کہ دشمن ناامید ہو گئے اور تین دن تک خدا کا رسول اور اس کا دوست غارِ ثور میں پوشیدہ رہ کر چوتھے روز مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سُراقہ کی دشمنی

منافقین کی کامیابی کا صرف ایک ذریعہ تھا اور وہ یہ کہ انھوں نے قتل و گرفتاری کے انعام مقرر کئے۔ جو سو اونٹ تک پہنچ گئے۔ ایک شخص سُراقہ انعام کے لالچ میں آگیا اور دلی ہوئی عداوت سے کھوج نشان لیتا ہوا چلا اور منزلِ مقصود کے قریب جا پکڑا۔ یہ کیسی عجیب ساعت تھی۔ چہرۂ اقدس کا عاشقِ صادق رستے بھر پیادہ پا چاروں طرف دیکھتا بھالتا جلو میں جا رہا ہے اور دلی آرزو یہ ہے کہ اعدا پہلے میری گردن جدا کر دیں تاکہ شہادتِ حبیب آنکھ سے نہ دیکھوں۔ صدیق کی یہ رات وہ رات ہے جس پر فاروق کی یہ حسرت اسلام میں کندن کی طرح دمکے گی کہ:-

"عمرؓ کے عمر بھر کے اعمال ابوبکرؓ کی اس رات پر قربان ہیں"۔

مکہ کے پردیسی مہمان گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں پناہ لینے جا رہے تھے کہ اغیار آ پہنچے۔ اور آناً فاناً سراقہ نامی دشمن تیغ برہنہ لئے نمودار ہوا۔ اب سچا دوست اس

غرض سے آگے بڑھا کہ تلوار کا وار اپنے سر پہ لے کر خدا کے رسول پہ قربان ہو۔ ایک
عیسائی مورخ حیران و پریشان لکھتا ہے کہ "دنیا اس استقلال کی مثال مشکل سے
پیش کرے گی۔ محمدؐ کے چہرے پہ مسکراہٹ آئی اور اپنے ساتھی سے کہا:-

"گھبراؤ نہیں خدا ہماری مدد کرے گا"

عقل کے دشمن جو ہر وقت عقل و قیاس کا کلمہ پڑھتے ہیں یہاں تک تو ڈٹے پا
کر پہنچ جاتے ہیں، اور دبی ہوئی یا مری ہوئی زبان سے ہوں ہاں کر لیتے ہیں۔
آگے قدم چل کر زبان کٹ جاتی اور قلم چکراتا ہے۔ اب عقل سلیم فیصلہ کرے اور بتائے
کہ ایک تنِ تنہا اور بے یار و مددگار پوری جماعت کے سر پہ سے اور آنکھوں کے سامنے نو
نکل جاتا ہے اور جماعت سر پیٹ کر چھوڑ جاتی ہے۔ ایک شخص کا اور وہ بھی تنہا،
نہ تلوار یا نیزہ تک بھی نہیں، سیکڑوں کی تعداد جو مسلح ہیں اور جمع ہوئے ہیں اسی غرض
سے آمادہ ہیں قتل پہ اور تیار خونریزی پہ، آنکھوں میں دھول جھونک کر علی الاعلان
اور کھلے بندوں سے چلا جانا کیا قرین قیاس ہے کہ نہیں؟ اگر ہے تو قیاس کو سلام اور عقل
کس کی؟ اگر نہیں ہے تو حفاظت کس نے کی اور بچانے والا کون تھا؟"

وہی طاقت جو گھر سے نکال کر مدینے کے دروازے تک صحیح سالم لے آئی، اس
وقت یوں کام کر رہی تھی کہ سراقہ کا گھوڑا زمین میں دھنسنا شروع ہوا، اور سراقہ
کو موت کا یقین ہو گیا تو گڑگڑایا۔ رویا اور التجا کی۔ مشکل تھا محال تھا کہ کوئی
درخواست، کوئی سائل اور کوئی ملتجی دربار رسالت سے خالی جائے۔ گھوڑا زمین سے نکلتے
ہی سراقہ کی عقل نے واقعہ کو اتفاق سمجھ کر تلوار تانی اور آگے بڑھا، مقابلہ سراقہ
اور آمنہ کے لال کا نہ تھا۔ ازلی اور فانی، ابدی اور عارضی، خالق اور مخلوق، خدا اور
بندے کا تھا۔ تلوار ہاتھ میں رہی اور گھوڑا پھر دھنسنا شروع ہوا، سراقہ کی گنہگار آنکھیں
شرمندہ صورت اور محسن کش دل اب پھر کرم کا خواستگار ہوا، یہ عجیب وقت تھا،

انسانیت سے بلند شان رسالت نے رحم کا وہ سماں دکھا دیا کہ گردن ٹکانے کے سوا چارہ نہیں۔ سراقہ کا گھوڑا نکلا، مگر اب اس کی بے ایمانی تحپا وز نہ کر سکی اور ایسا دم دیا کر بھاگا کہ پھر نہ پلٹا۔

مکہ کے شاداب پھول کی مہک جب مدینہ پہنچی، اور وہ چند

مکہ میں آدمی جو حج کے موقع پہ مسلمان ہوئے تھے انھوں نے جا کر کیفیت بیان کی تو لوگوں کا اشتیاق اتنا بڑھا کہ وہ خود مکہ آنے کو تیار ہوئے مگر جب ان کو معلوم ہوا کہ آمنہ کا لال مدینہ جگمگانے آرہا ہے تو استقبال کو سب تا بانہ باہر نکلے۔ عورتیں کوٹھوں پہ بچے راستے میں اور مرد سڑکوں پہ جمع ہوئے اور ذوق و شوق میں اس طرح گانا شروع کیا۔

گذر ہو جس راستے سے تیرا بچھائیں اس راستے میں آنکھیں
یہ آگ دل کی ہو ٹھنڈی آقا، درود پڑھ کر سلام پڑھ کر

ہمارے دل میزباں ہوں تیرے ہماری پلکیں مکان تیرا
بچھائیں آنکھوں پہ تجھ کو مولا، درود پڑھ کر سلام پڑھ کر

دکھا اب ہم کو جمال اپنا، کریں ہم آنکھوں کو اپنی روشن
ملک سے افضل بشر سے اعلیٰ، درود پڑھ کر سلام پڑھ کر

یہ مال ہمارے نثار تجھ پہ، کریں گے ہم تجھ پہ جان قرباں
بصد عقیدت بصد تمنا، درود پڑھ کر سلام پڑھ کر

ہوئے ہیں آپے سے اپنے باہر خوشی سے ہم تجھ کو لینے آئے
یہ بستی پوری، یہ گاؤں سارا، درود پڑھ کر سلام پڑھ کر

گھروں سے باہر ہیں آن پہنچے کہ تا کریں پیشوائی تیری
ہے وجد میں آج ذرّہ ذرّہ، درود پڑھ کر سلام پڑھ کر

ردیف کیسی، وزن کہاں کا کدھر کے معنی تو کیسا مطلب

ہے عجز و عاجز کا ایک جذبہ، درود پڑھ کر سلام پڑھ کر

تثلیثی دنیا حضرت عیسیٰؑ پہ جس قدر ناز کرے صحیح مسلمان بھی اس فخر میں ایک حد تک ہمنوا ہیں، مگر ہے کوئی جو اس کا ابطال کر سکے کہ ۳۳ سالہ زندگی میں فقط تین سال کے حالات کا ذخیرہ موجود ہے اور اس کے بعد ہر تاریخ اور ہر ذریعہ خاموش اور ساکت۔ لیکن خاتم النبیین کی مقدس زندگی کا ہر لمحہ اور ہر سانس پیش نظر اور محفوظ ہے۔ مسیح علیہ السلام کا درگزر، اور علم و تحمل سر آنکھوں پر مگر نوحؑ اور موسیٰؑ کی ذات اس سے محروم ہے۔ جس وقت زمین پانی میں غرق ہوئی اور قہر آسمانی نے بارش کی صورت میں قیامت برپا کی۔ موت نے زندگی کو پردہ دنیا سے ناپید کرنے کی قسم کھائی اور غضب خداوندی ہر سمت سے نمودار ہونے لگا زندہ انسانوں کی جان کے لالے پڑ گئے۔ درندوں نے دہشت سے، پرندوں نے حسرت سے روسیاہ مخلوق کی صورت دیکھی۔ رحم و کرم کی صدائیں، زمین و آسمان سے بلند ہوئیں۔ نافرمان پیشانیاں اور گنہگار سر خدا کے حضور میں جھکے۔ اور وہ منافق اور نمک حرام جنہوں نے نوحؑ کی ہنسی اڑائی تھی اور خدائی پہ ٹھٹھے لگائے تھے روتے اور گڑگڑانے لگے تو قدرت منتظر تھی فیصلہ کی اس شخص کے جس کی کشتی اطمینان و سلامتی کے ساتھ پھول کی طرح پانی میں تیر رہی تھی دفعۃً زمین کے کانوں اور آسمان کے حافظہ میں اس کے یہ الفاظ پہنچے۔

"الٰہی ان میں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑ"

اسی طرح گو دنیا بھول جائے لیکن تاریخ اس واقعہ کو دہرائیگی۔ جب ایک قبطی کی جان موسیٰؑ کے گھونسہ پہ قربان ہوئی اور ان کی بددعاؤں نے بنی نوع انسان پہ غداریوں کا تار باندھ دیا۔ اب آج کی دنیا کو ضرورت تھی، ایک ایسے انسان

کی جو تمام نبیوں اور پیغمبروں کی صفات کا مجموعہ ہو۔ قدرت اپنے ہاتھوں سے
تعمیر کے بعد اپنی بے مثل مخلوق کو بوسہ دے اور دنیا کو دکھا دے کہ ایک انسان کامل
دنیا کے تمام تعلقات میں شامل اور زندگی کی ہر ضرورت میں داخل ہو کر کس طرح
اسباب عیش و عشرت کو ٹھکرا کر نفس کو مغلوب کر سکتا ہے۔

اغیار کا اعتراف

صرف مسلمان ہی نہیں ہر انسان نگاہ بلند کرے اور سامنے دیکھے موسوی عہد گزر
چکا مسیحی دور ختم ہوا۔ نبوت و رسالت کے جلوے اپنے اپنے رنگ دکھا کر فنا ہوئے
اور وہ وقت آگیا کہ آمنہ کے لال کی رسالت کا نقارہ بجے۔ اعلان نبوت کوس لمن
الملک کی طرح دنیا میں گونج رہا ہے۔ آسمانی کتابوں کے ماہر تلاش کے قدموں آگے
بڑھ رہے ہیں اور تحقیق کی آنکھیں یتیم عبداللہ کے گھر مکہ کا طواف کر رہی ہیں آفتاب
نصف النہار پر ہے۔ اور عرب کی قیامت خیز گرمی نے آفت بپا کر رکھی ہے یروشلم کے
دو یہودی توریت و زبور کے عالم جن کے دلوں کو آیات ربانی نے تعصب کی کدورت
سے صاف کیا تھا مکہ کی سرزمین پر داخل ہوئے اور اپنے ایک ہم مشرب و ہم
مذہب یہودی بقال کی دوکان پر ٹھہر کر کہا۔

"وہ شخص جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے کہاں ہے"

میزبان بقال اپنے مہمانوں کے شوق کا استقبال بلند قہقہہ کی صدا میں کر رہا تھا
کہ غل غپاڑہ کی آواز کان میں آئی اور ابھی سیاحوں کی آنکھوں نے دیکھا کہ آدمیوں کا
غول چیختا چلاتا ہوا آ رہا ہے چشم زدن میں مجمع سر پر آ پہنچا تو معلوم ہوا سیاہ کمبل میں
لپٹا ہوا ایک انسان بیچ میں ہے جس کے قدموں کو نبوت اور رسالت چوم رہی ہے
سر سے خون کے فوارے جاری ہیں، لڑکے اور بچے پتھر اور نوجوان چاروں طرف سے

اس کے اوپر پتھر برسائے ہیں اور سر کنڈے مار رہے ہیں۔ یہودی دل تڑپ
اٹھے، ہمدردی کا جذبہ بیدار ہوا اضطراب کی لہریں چہروں پر دوڑنے لگیں اور
مکہ والوں کے ان مظالم پر لعنت کی بوچھاڑ کرتے ہوئے لپٹے تو نبیال نے کہا۔

"جس کی آرزو تم کو یہاں تک کھینچ کر لائی وہ محمد ﷺ یہی ہے"

شوق حیرت سے بدلا اور تعجب کے آثار نمودار ہوئے اور دل نے تسلی کی ہمدردی
میں رحم شامل ہو چکا تھا، فیصلہ کیا کہ آزمائش کا بہترین موقع ہے یہ جگر خراش
مظالم خالی جانے والے نہیں، یہ خون رنگ لائیگا اور دعویٰ سچا اور رسالت
برحق ہے تو اس کی بد دعا مکہ کیا عرب کا کلیجہ توڑ دے گی اور عذاب الٰہی
ان ظالموں کا ناس کر دے گا۔

یہودی مجمع کے ساتھ آگے بڑھے چند قدم چلے تھے کہ ایک پتھر نے سرکار کی
پیشانی زخمی کی اور خون کی تلی جاری ہو گئی دونوں اس شوق کی تکمیل کی آرزو
کر گزرے تھے اور دل مظالم پر رو رہا تھا قریب پہنچ گئے، عتبہ اور شیبہ کے
تھے کہ ان کے سامنے ایک عجیب سماں آیا۔ عبداللہ کا یتیم جس کے حامی قبروں
میں جا چکے تھے اور جس کا کوئی والی وارث زندہ نہ تھا اٹھا کمبل کے دامن
سے پیشانی کا خون پونچھ کر ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور کہا:-

"معبود حقیقی میری قوم کی غلطیوں کو معاف کیجیو بے گناہ ہے اس نے
ابھی تک مجھ کو پہچانا نہیں"

استعجاب کا خون رگوں میں بجلی کی طرح دوڑا اور عقیدت نے جسم میں لرزہ
پیدا کر دیا۔ فضائے شور و شغب میں ایک متفقہ چیخ یہودیوں کی بلند ہوئی
اور دونوں سر پیٹتے ہوئے قدموں میں گرے"

"لا ریب تو رسول برحق ہے"

زندگی کے اس خوشنما دربار میں اس ظلم و ستم پر نفس کو مغلوب کرنا ایسا معجزہ
ہے کہ جس کا جواب دینے میں عفو و تحمل کے فرشتے خاموش ہیں۔ یہ رحم و کرم یہ ایثار
درگذر عدیم النظیر ہے۔ جویائے حقیقت دریائے تاریخ میں لاکھ غوطے لگائے
مگر یہ درِ شہوار میسر نہیں آتا اور عقل سلیم گردن جھکا کر صرف اتنا کہتی ہے:-

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

توسن قلم میدان تاریخ کو طے کر لینے کے بعد میدان سیرت میں جست کرتا ہوا
آگے بڑھتا ہے اور متعجب ہوتا ہے کہ کیسے دل اور کیسے اوصاف تھے ان لوگوں
کے جنہوں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا مگر زندگی کی کشمکش نے ایمان آگے نکلنے
جانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ معمولی انسان نہیں پیغمبر ہیں مگر ایسے کینہ ور اور
سیاہ قلب تھے کہ دل کی حقیقت سے دماغ کو اور آنکھ کے تماشے کو زبان
کو محروم رکھتے تھے۔

نضر کا اقرار حج بیت اللہ کا وقت قریب ہوا اور اس فکر نے قریش کی جان پہ
بنا دی ہے کہ لوگ دور دور سے آئیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے جلسے ہو رہے
ہیں مشورے کئے جا رہے ہیں اور تجویزیں سوچی جا رہی ہیں کہ کیا طریقہ اختیار
کریں اور نو وارد بھولے بھالے مسافروں کو کس جال میں پھنسائیں کہ منزل
مقصود سے دور رہیں اور یہ بھنک کانوں میں نہ پڑنے دیں۔ وسیع پیمانہ پر ایک عام جلسہ
ہے کفر دشمن نضر بن حارث کی صدارت میں منعقد ہوا۔ یہ ان ملعونوں میں سے
ایک ہے جو شب و روز قتل کے منصوبوں میں منہمک تھے۔ پتھر اس نے پھینکے گڑھے
اس نے کھودے کانٹے اس نے بچھائے اوجھڑیاں اس نے ڈالیں۔ متفقہ تجویز ہوئی
کہ زائرین بیت اللہ کے کانوں میں پہلے یہ بات ڈال دو اور یقین دلا دو کہ محمد نعوذ
باللہ مجنون ہو گیا اور جھوٹا دعویٰ کرتا پھرتا ہے جب تجویز ہو چکی تو نضر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"بات وہ کرو کہ اپنے اوپر آنچ نہ آئے اور دنیا ہم کو نکو نہ بنائے۔ مکہ کی زمین
پر آج تک کوئی شخص ایسا نہیں آیا جس کے کانوں نے تمہاری زبانوں سے محمدؐ کی
تعریف نہ سنی ہو۔ تم نے ہمیشہ اسکی صداقت کا اقرار کیا اور سدا اسکی امانت کو
گیت گائے۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے بچے سے جوان ہوا اور اب سر میں سفید
بال ہمارے سامنے نمودار ہو گئے مگر ہم نے یا ہم میں سے کسی نے آج تک کبھی
معاملہ میں اسکی لغزش دیکھی نہ سنی کہ تِل کا پہاڑ بنا کر اسکو بدنام کر سکیں۔ ابتدا
سے انتہا تک اور روز پیدائش سے اس وقت تک کہ نصف صدی سے زیادہ
مدت گزر چکی اس کی عمر میں کوئی لمحہ ایسا نہیں ملتا جس پہ حرف گیری ہو سکے
اور لب کشائی کر سکیں۔ ہمارا یہ کہنا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے ہماری اپنی تذلیل
و تضحیک ہے۔ دنیا ہنسے گی اور لوگ مذاق اڑائیں گے اور مخلوق ہم کو
مطعون کرے گی کہ کل تک جس منہ سے اسکی انسانیت کا کلمہ پڑھتے تھے
آج اسی منہ سے اسکو جھوٹا کہتے ہو۔"

نضر بن حارث دنیا سے اٹھ چکا اور اسلام کا وہ دور بھی ختم ہوا مگر نضر کی
تقریر اور حضور اکرم کی صداقت و امانت کا یہ اقرار تاریخ میں چمک دمک
رہا ہے۔ اور بتا رہا ہے کہ اس سے بڑا معجزہ کیا ہوگا کہ اس دشمن کی زبان
بھی جو ہر آن آپ کے درپے یہاں تک کہ قتل پہ کمربستہ ہے۔ اسی طرح اعتراف
کر رہی ہے کہ کیا دنیا کی کوئی تاریخ دنیا کا کوئی انسان اسکا جواب دے
سکتا ہے کہ اسکی زندگی اغیار کی تاریخ میں اس طرح چمک رہی ہو۔ الفاظ
دشمن جانی کے ہیں اور تاریخ عدوئے ازلی کی۔

قریش کا بدبخت گروہ جو ہر صبح اس امید پہ شام اور ہر شام اس توقع پہ صبح کرتا کہ
آج جھگڑا ختم اور پاپ کٹ جائیگا جب ہر طرح سے ناکام اور ہر طرف سے

مایوس ہوا تو بدرجۂ مجبوری ابوطالب کے پاس پہنچا، اور کہا کہ اب اسکا فیصلہ کیجئے اور اپنے بھتیجے کو منع کیجئے کہ وہ ہمارے خداؤں کے خلاف کچھ نہ کہے اور توحید کو زبان پر نہ لائے۔ ابوطالب نے آپ کو بلا کر سامنے بٹھایا، اور کہا:۔ کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں غور سے سنو۔ قریش بدستور کہتے رہے اور تقریر ان الفاظ پر ختم کی۔

"اگر نکاح کا خواہشمند ہو تو قریش کی متمول سے متمول اور حسین سے حسین عورت ہم تیرے نکاح میں دیں، اگر دولت کی آرزو ہو تو مال و متاع۔ نقد جائداد زمین مویشی جس قدر کہے ابھی حاضر کردیں۔"

جب ابوطالب نے بھی اس گروہ کی تائید کی تو حضور اکرمؐ نے خیال فرمایا کہ چچا جس نے میری پرورش کی میرا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ جواب دیا:۔

اگر قریش آسمان سے چاند اور سورج لاکر میری گود میں بٹھا دیں تو بھی میں خدا کے احکام نہیں چھوڑ سکتا۔ کس کی عورت اور کیسی دولت، ضرورت صرف صداقت کی ہے جس کی طرف میں بلا رہا ہوں۔"

ہمدردی کی آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں، اور محبت سے لبریز دل تڑپتا ہوا بلبلاتا ہے جب بھی دشمن مورخ اسی پاک ذات کے متعلق جس نے زر و دولت کو ٹھکرا دیا۔ عزت و اکرام کو لات ماردی یہ واقعہ بیان کرتا ہو۔

رحلت کے عرصہ دراز بعد بی بی عائشہؓ ایک موقعہ پر کھانا کھا رہی تھیں۔ اور آنکھ سے زار و قطار آنسو جاری تھے، ان سے رونے کی وجہ دریافت کی، تو فرمایا: خدا کا رسول اور میرا شوہر جس پر نبوت ختم ہوئی دنیا سے رخصت ہوا مگر مجھ کو دنیا نے اتنی اجازت نہ دی کہ کبھی ایک وقت کی روٹی حضورؐ کو پیٹ بھر کے کھلا دیتی، آج یہ صاف روٹی میرے حلق میں پھنس رہی ہے اور جی چاہتا ہے کہ نہ کھاؤں

ہوتے تو پہلے ان کو کھلاتی اور پھر خود کھاتی۔
انصاف آقائے نامدار کے قدم چومتا ہے۔ عقل ثنا خواں ہوتی ہے، اور ایمان بآواز بلند کہتا ہے۔
"درود تجھ پہ شفیع محشر رسول تو ہی حبیب تو ہے"
باغیچۂ دہر میں صبح شام انواع واقسام کے پھول کھلتے اور مرجھاتے ہیں۔ مگر زمین کا وہ قطعہ جس کی آغوش کسی خاص پھول سے بسی ہو تو ان رستہ چلیتوں کے دماغ معطر کر دیتا ہے۔ قندیل فلک ہر چودھویں تاریخ کو پردۂ دنیا پر تمام رات جگمگا کر صبح کو جھلملا جاتی ہے مگر بزم شب کا وہ سماں ان دماغوں سے پوچھنا چاہیئے جن کے دلوں سے اس کی یاد موت کے سوا دوسری طاقت جدا نہیں کر سکتی۔ مادر گیتی کے پیٹ سے لاتعداد انسان مرد اور عورت ظہور پذیر ہوئے مگر آمنہ کا لال اور خدیجہؓ کا شوہر وہ انسان تھا، جس کے مقدس نام پر عقل سلیم بے ساختہ قربان ہوتی ہے۔

دونوں بیبیوں کی شہادت مسلمانوں کی دونوں محترم ماؤں، ام المومنین خدیجہؓ، اور ام المومنین بی بی عائشہؓ کی عمروں میں آسمان وزمین کا فرق تھا، بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی عمر نبوت کے وقت پچپن سال تھی۔ یہ بالکل بڑھاپے کا وقت ہے، اور حالات یہ ہیں کہ شوہر نے ان کی ہزاروں روپے کی جائداد یا پانچوں، اور حیات منبدو کو دے دی۔ مگر وہ اس پر فخر کرتی ہیں، اور اشاعت اسلام میں آخری وقت تک پوری مدد دیتی ہیں۔ سرور دوجہاں کا محرم راز بی بی خدیجہؓ سے بڑھ کر اور کون ہو سکتا ہے۔ اور ان سے بہتر شہادت اور کس کی ہو سکتی تھی کہ جان ومال سے قربان ہوئیں اور جب تک

زندہ رہیں حضور اکرمؐ کے واسطے سپر کا کام کیا۔ دوسرا بیان بی بی عائشہ صدیقہؓ کا ہے جو عمر میں بہت کم تھیں۔ نوجوانی میں بیوہ ہوئیں اور سہاگن رہیں تو آرام و آسائش تو درکنار پیٹ بھر روٹی میسر نہ ہوئی، مگر رحلت سرکار کے بعد اس وقت جب بچپن اور جوانی بڑھاپے سے بدل گئی، فاک عرب سے اٹھنے والے ہادی برحق کا کلمہ پڑھتی ہوئی زیر زمین پہنچ گئیں۔

تیسری گواہی

قیس بن سائب جو ایک دفعہ شریک تجارت تھا اور مسلمان بھی نہ ہوا تھا حالت کفر میں کہتا ہے۔

"میں نے محمدؐ سے بہتر شریک نہیں دیکھا جس نے کبھی جھوٹ نہ بولا اور نہ بدنیتی کی" حضرت انسؓ جو بچپن سے دم واپسیں تک غلامی کی حیثیت سے خدمت اقدس میں حاضر رہے فرماتے ہیں۔

"مجھے کبھی کوئی ایسا کام نہ بتایا جس میں خود شریک نہ ہوئے ہوں یا میری طاقت سے زیادہ ہو اور کسی کام کے بگڑنے پر غصہ نہ فرمایا۔

یہ شان کسی معمولی انسان کیا کسی معمولی نبی یا پیغمبر کی بھی نہیں ہو سکتی زمین و آسمان کی آنکھیں صفات انسانی کا یہ مجموعہ صرف ایک ذات میں دیکھ چکیں اس سے پہلے اور اس کے بعد اللہ کا نام تھا اور رہے گا۔

خاتم النبیین پر نبوت ہی ختم نہ تھی، انسانیت بھی ختم تھی۔ جو ہر انسانیت چمک اور دمک گئے۔ اسی ایک ذات میں انسانیت کی تقسیم دکھا گئی اور بتا گئی وہی انسانی ہستی جس کے سامنے جلیل القدر شہنشاہ زمین بوس ہوئے اور بڑے بڑے فرشتے جس کے دربار کے ادنیٰ غلام تھے۔

فاروق اعظمؓ جیسا بہادر جس کی خلافت نے ایک عالم میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا جس کے نام سے دنیا تھرائی تھی۔ دنیا سے رخصت ہو رہا۔ خون کا فوارہ جاری

ہے اور چند ساعت کا مہمان ہے۔ اس ساعت آخر میں اسکی خواہش، اس کی آرزو، اس کا ارمان صرف یہ ہے کہ جسد خاکی سرور عالمؐ کے قدموں میں دفن ہو
ہزار بار درود اور لاکھوں سلام اس ذات پاک پہ جو ابوبکرؓ اور عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ جیسی شخصیتیں پیدا کر گئی، جنکے نام اعمال نامۂ حیات میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔
کیسی مبارک تھیں وہ آنکھیں جنھوں نے اس جمال جہاں آرا کی زیارت کی اور کس قدر خوش نصیب تھے وہ مرد اور عورتیں جو اس شمع رسالت پر قربان ہوئے آگ کے شعلوں میں موت کی اذیتوں میں تلواروں کی دھاروں میں ان کے قدم نہ ڈگمگائے اور سخت سے سخت اذیت و مصیبت بھی انکی فریفتگی میں فرق نہ ڈال سکی۔

خبابؓ کا ایمان

خباب ایک غلام ہیں، جو لوہار کا کام کرتے تھے، اور ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے شروع میں ایمان کی سعادت حاصل کی۔ جب بھٹی سے لوہا دہکا کر نکالتے تھے، تو مالک پہلے ان کی پیٹھ پہ یہ کہہ کر داغ دیتا تھا کہ اسلام کی یہ کت ہے۔ اسکے بعد کام لیتا تھا۔ خلافت فاروقی میں جب زندگی ختم ہو رہی تھی۔ سرکار دو عالمؐ کو یاد فرما کر رو رہے تھے اور اپنی مصیبتوں کا خیال کر کے ہنس رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے مجمع میں ان سے درخواست کی کہ ذرا اپنی پیٹھ دکھایئے۔ انھوں نے چادر اٹھا کر دکھائی تو تمام پشت داغوں کے نشانوں سے اٹی ہوئی تھی۔

دوسرا ایمان

ایک خباب ہی پر منحصر نہیں، ان خوش نصیبوں کا عشق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ اس چمن کا ہر خار گلزار تھا ارمان تھا تو صرف یہ کہ کسی طرح سرکارؐ کے مبارک قدموں پہ نثار ہوں۔
زید بن حارث مشہور غلام ہیں۔ یہ نسلاً عیسائی تھے۔ ان کے باپ کو جب پتہ

لگا تو خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بچہ کی رہائی کی التجا کی۔ حضور نے فرمایا: "زید بالکل آزاد ہے۔ آپ شوق سے لیجائیے۔" جب رخصتی کا وقت آیا تو زید نے باپ کے ہاتھ چوم کر کہا "مجھے چلنے میں عذر نہیں تعمیل کو تیار ہوں۔ مگر سرکار دوجہاں سے ایک لمحہ کی مفارقت گوارہ نہیں کر سکتا۔"

سرورِ کائنات کے نکاح

غیر مسلم حضرات خصوصاً مشنری، مسلمان عورتوں کو بہکانے میں اکثر کثرت ازواج سے کام لیتے ہیں اور چونکہ یہ مسئلہ فطرتاً عورتوں کے خلاف ہے اس لئے معمولی مسلمان عورتوں میں یہ منتر کامیاب ہو جاتا ہے۔ میرے لڑکپن کا ذکر ہے کہ میری ایک عزیزہ کو کوئی غیر مسلم استانی پڑھانے آتی تھیں انکے شوہر نے دوسرا نکاح کر لیا اور وہ اس سے قدر متاثر ہوئیں کہ شوہر سے قطع تعلق پر آمادہ ہو گئیں تمام خاندان کو تشویش ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اسکی تہ میں استانی صاحبہ کام کر رہی ہیں۔ ہم کو کیا کسی مسلمان کو اس سے انکار نہیں کہ حضور اکرمؐ کی نو بیویاں تھیں، اور اسلام نے چار بیبیوں کی اجازت دی ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان بیویوں کے ہونیکا کیا مقصد تھا، اور چار نکاحوں کی اجازت کا کیا منشا ہے۔

یہ تو دنیا جانتی ہے کہ سوائے ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے حضور اکرمؐ کی کوئی بیوی کنواری نہ تھی، اور بعض تو عمر میں دوگنی نہیں تو ڈیوڑھی ضرور تھیں یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ منافقین ایک دو دفعہ نہیں بارہا یہ عرض کر چکے تھے کہ اگر تو ہمارے بتوں کو برا نہ کہے تو جس قبیلہ کی اور جس گھر کی اور جو لڑکی تو پسند کرے ہم اسکا نکاح تجھ سے کر دیں۔ خوبصورت سے خوبصورت، معزز سے معزز اور مالدار سے مالدار۔ مگر آپ نے انکار کر دیا اور ہر مصیبت اور تکالیف، وہ ایذا اور وہ اذیت جن کا خیال بھی

انسانیت کے لیئے مدح فرما ہے۔ گوارا فرمائی۔ اس حقیقت کو سامنے رکھ کر کوئی ذی
ہوش کہہ سکتا ہے کہ ان نکاحوں میں نفسانیت شامل تھی ہم کو اور ہم کو نہیں، ہر
ایماندار کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شروع سے آخر تک کوئی نکاح ایسا نہیں ہے، جو
مفادِ اسلام سے متعلق نہ ہو۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر بی بی خدیجہ رضؓ سے نکاح نہ ہوتا تو اسلام کی یہ اشاعت
ممکن تھی؟ اور اگر ام المومنین ابتدائی حالت میں شریک نہ ہوتیں اور اپنی دولت
اسلام پر قربان نہ کرتیں تو یہ کامیابی بآسانی میسر آجاتی؟

دو میاں بیوی اسلام قبول کر چکے مگر ان کے عزیز اور دوست ان پر طرح طرح
کی تہمتیں اٹھاتے اور سخت سے سخت اذیتیں دیتے رہے ہیں۔ مگر کوئی تکلیف انکے
قدم نہیں ڈگمگا سکتیں۔ یہاں تک کہ دن کا راستہ اور رات کا سکون بھی ختم ہو گیا۔
باہر نکلتے ہیں تو لکڑیاں پڑتی ہیں اور گھر میں رہتے ہیں تو پتھر آتے ہیں۔

زمین جان کی دشمن اور آسمان خون کا پیاسا ہے۔ دو کمزور انسانوں کے خلاف
مکہ کی ایک پوری طاقت اٹھ کھڑی ہوئی۔ شرارت و خباثت کے شعلے فضائے تمکنت
اور سیلاب نخوت میں رشیاہ دلوں کو بلند ہو رہے ہیں۔ سر پتھروں سے اور جسم لکڑیوں
سے زخمی ہوتے ہیں اور تین سال کے معصوم بچے پر کڑاکے فاقے گذر جاتے ہیں۔

جب رات کی دوسری اور تیسری منزلیں انکا شور و غوغا ختم کر دیتی ہیں اور زندگی کی
ضرورتیں نظامِ عالم سے ہمنوا ہو کر دنیا اور اسکے بسنے والوں کو بے خبر کر دیتی ہیں، تو
شوہر اس توقع پر گھر سے باہر نکلتا ہے کہ شاید کوئی مسلمان اس کی خاموش بیوی
اور بے گناہ بچے کا پیٹ بھر دے مگر گنتی کے چند مسلمان بھوک کی آگ کو پتھروں
سے دبا کے مصروفِ عبادت نظر آتے ہیں۔ حقیقت تازیانہ بنتی ہے، اور ہر کلفت
فراموش کر دیتی ہے۔

جس وقت رات کی حکومت فلک کے قریب پہنچتی ہے۔ تاریکی فلک میں کھلبلی شروع ہوتی ہے اور صدا لئے توحید فضائے شرک کے ٹکڑے اڑاتی ہے تو ادائیگی فرض کے بعد شوہر کی گردن دربار رسالت میں جھک کر اپنی داستان مصیبت زبان پہ لاتی ہے۔ پرستان توحید کی ہمنوائی، تکالیف و مصائب کی انتہا۔ قلب مقدس کو مجروح اور چشم مبارک کو نم کرتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ "تم لوگ ہجرت کرو۔ مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے جاؤ۔"

تین سال کا بچہ اس کا باپ ابو سلمہ حبشہ پہنچ گئے۔ اگر یہ زمین بھی آسمان سے خالی نہ نکلی۔ دشمنوں نے پیچھا کیا، اور سختی ظلم توڑے گئے لاتعداد نعرے درود اور سلام کے اس ذات مقدس پر جس کی صداقت نے ان کے دلوں کو مسخر کیا اور ہزارہا تحفے مبارک باد کے اس محترم خاتون پر جس نے اپنی اور شوہر کی ہر راحت رسالت پر قربان کر دی حبشہ مکہ سے زیادہ ظالم نکلا۔ اور سلمہ کا ہر قدم مصیبت کا پیام بن گیا۔ یہاں تک کہ ام سلمہ کی مستقل مزاج آنکھوں نے اپنے عزیز و رفیق شوہر کی موت اس طرح دیکھی کہ پتھروں سے اس کا سر چور چور اور جسم سے خون کے فوارے جاری تھے۔

تاریخ اس استقلال پر سر دھنتی ہے اور انصاف مرحبا کے پھول بصد ادب ام سلمہ کے پاک جذبات پر نثار کرتا ہے۔ شوہر کی موت اس محترم خاتون کے پائے استقلال کو نہ ڈگمگا سکی اور فانی زندگی کے عارضی تماشے واقعیت پر قربان ہوئے توحید کا یقین کامل صبر و شکر کے جواہرات فدا کرتا ہوا سامنے آیا اور دل نے بے ساختہ صدا دی کہ حیات ناپائیدار کی قربانی گھڑیاں اس دربار میں بسر کروں جہاں یتیموں اور رانڈوں کا والی وارث اپنے جلوے سے دنیا کو جگمگا رہا ہے۔ ماں کا جوش عبودیت پر نثار ہوا اور تکلیفیں راحت کے لباس میں سامنے آئیں۔ بچہ کو گود میں لیا۔ اونٹ

پہ سوار ہو کر مدینہ روانہ ہوئی۔

ایک بے وارث عورت بچے کو ساتھ لئے حبشہ کی سڑک پہ بھوکی پیاسی چلی جا رہی ہے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل کی آہیں زبان تک پہنچ کر خاموش ہو جاتی ہیں۔ کلیجے کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں اور فراق شوہر کی اٹل مصیبت قدم قدم پہ پہاڑ بن رہی ہے۔ چاروں طرف مڑ مڑ کر دیکھتی ہے کہ شاید بچھڑی ہوئی صورت دکھائی دے جائے ٹوٹے ہوئے دل کی تسکین ہو اور بھولی ہوئی آنکھیں چھوٹے ہوئے شوہر کے دیدار سے منور ہو جائیں حسرت و یاس سے حبشہ کو الوداع کہا اور شوہر کی ہڈیوں کو دور ہی سے خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھی دل تڑپ رہا ہے آنکھوں میں اندھیرا ہے دنیا اجاڑ اور زندگی پہاڑ ہے۔ مایوس ہو کر موت کی خواستگار ہوتی ہے مگر بچے کی محبت زبان روک دیتی ہے اور مامتا کے ہاتھ ایک خاموش جذبہ میں ڈوب کر اس کو کلیجے سے لگا لیتے ہیں۔ اونٹ اپنی رفتار میں محو ہے۔ ہوا بدستور اپنا کام کر رہی ہے اور آفتاب لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہا ہے۔ پردیسن ام سلمہ کا معصوم بچہ کا اور پیاسا ماں کی گود میں ہے۔ مگر بی بی سلمہ کا بچہ وہ نہ صرف پانی اور غذا ہی سے محروم ہے بلکہ یہ بھی خبر نہیں کہ راستہ کدھر ہے اور منزل مقصود کہاں۔ اس قیامت خیز ساعت میں جب مصیبت نے جان پہ بنا دی صرف ایک ارمان ہے اور وہ یہ کہ محبوب رب العالمین کے قدموں پہ سر رکھ کر فدا ہو جاؤں۔

ریگستان عرب کے بگولے ایک بیوہ عورت کے مقابلہ کو آگے بڑھے تمازت آفتاب نے پوری طاقت سے حملہ کیا۔ بھوکا بچہ پیاس سے بلبلا گیا مجبور اور لاچار ماں نے ہر طرف نظر دوڑائی اور خدا کا شکر کرتی ہوئی آگے بڑھی۔

دوپہر کا سنسان وقت ہے۔ رتیلے میدانوں میں دور دور انسان کا پتہ نہیں۔ پرند اور چرند چلچلاتے پہاڑوں کے سایہ میں خاموش بیٹھے ہیں۔ ہوا اور ریت کے

میدانوں میں آگ لگا رہی ہے۔ ریگ و آتش کا ایک دریا ہے جو آسمان سے زمین تک لہریں لے رہا ہے۔ کلمۂ توحید کی شیدائی ام سلمہ ریگ کے دریا میں تیرتی اور خاک کے میدان میں دوڑتی چلی جا رہی ہے اس کا شوق ہر اذیت پر غالب اور عقیدت ہر مصیبت کو ٹھکرا رہی ہے۔ بچہ کو کلیجہ سے لگائے جا رہی تھی کہ سامنے سے چند آدمی نمودار ہوئے، اور کہا :-

"تیرے شوہر یعنی اپنے بھائی کو ہم نے قتل کیا، اور اسکے کفر کی سزا دیدی، اب تو کہاں جاتی ہے؟ ابوسلمہ کیفر کردار کو پہنچا اور اس کی موت سے ہمارا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا۔ تو اپنے اعمال سے توبہ کرے اور اپنی حرکتوں سے باز آئے تو ہماری بہن ہے، ورنہ اسی طرح تیری آنکھوں کے سامنے تیرے بچے کو قتل کریں گے۔ تو نے مسلمان ہو کر تمام خاندان کو بٹہ لگایا۔ شوہر کھویا۔ بچہ کھو رہی ہے۔ اب بھی باز آ ورنہ دربدر کی بھیک ہو گی اور تو ہو گی۔"

عقیدت اور ممتا کا پورا مقابلہ تھا۔ ننگی تلواریں سر پر چمک رہی تھیں طاقتور ہاتھوں نے بیکس ماں کی گود سے بچہ چھینا۔ اور اس ننھی سی جان کی گردن پر تیغ آبدار رکھ کر ماں سے پوچھا "بول کیا کہتی ہے"

بچوں والی مائیں اس کیفیت کا فیصلہ اور اس حالت کا اندازہ کریں کہ ممتا والی ماں کے قلب پر کیا گذری ہو گی۔ آنکھ سے آنسو جاری تھے اور نگاہ اس بچے کے چہرہ پر تھی جو گردن پر تلوار لئے موت کی گود میں لیٹا تھا۔ محبت کا جوش اٹھا "ہائے" کہہ کر "اونٹ سے کودی اور بچہ پر گر کر کہا :-

"ابوسلمہؓ خوش نصیب تھا کہ کلمۂ توحید پڑھتا ہوا دنیا سے رخصت ہوا، اور تم کو دکھا گیا کہ آنکھوں والے کس صداقت سے فانی زندگی کو ٹھکرا کر شادان و فرحاں موت کی گود میں کھیلتے ہیں۔ ابوسلمہؓ تم کو سبق دے گیا اور اسکی موت بتا گئی کہ خدا سے

واحد کی پرستش کرانے والے مسلمان کس طرح صداقت پہ قربان ہوتے ہیں، سلمہ میرا پیارا بچہ ہے۔ اس کا بچہ ہے اس جیسے سات بچے ہوتے تو اسلام پہ قربان کر دیتی۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ اس چاند کی محبت میرا منہ حق سے موڑ دیگی اور مامتا کی آگ میری ابدی زندگی کو خاک سیاہ کر دے گی۔ میں جس رسول پہ ایمان لا چکی ہوں جس پہ اسکے باپ کو قربان کیا، وہ ہادی برحق ہے اور یہ حقیر تحفہ بھی اسکی رسالت پہ فدا کرتی ہوں۔ ہاں ایک التجا ضرور کرونگی۔ ابو سلمہ تمھارا بھائی تھا۔ اسکے احسانات اگر تم کو یاد ہوں، اور تمھارا ایمان اجازت دے تو انکا واسطہ دیکر کہتی ہوں کہ ابو سلمہ کے بعد بچے کی موت مجھ کو نہ دکھاؤ، اور اس سے پہلے مجھے قتل کر دو۔

ریگستان عرب میں ایک سنگدل قہقہہ گونجا اور ظالم درندہ ہاتھوں نے ماں کو گھسیٹ کر بچے سے جدا کیا۔ جس نے ایک آخری نظر بچے پر ڈالکر آنکھیں بند کر لیں اور یہ کہہ کر اطمینان سے بیٹھ گئی:۔

"تم اور تمھارے جھوٹے خدا، تم اور تمھارے بیکار بت، تم اور تمھاری مشرک جماعت، تم اور تمھارے کافر قبیلے مکہ اور حبشہ کی پوری طاقت شامل کر کے بھی مجھ کو خدائے واحد سے گمراہ نہیں کر سکتے۔ تم بچے کو قتل کرو اسکا خون میرے ان گناہوں کا کفارہ ہوگا جو قبل از اسلام مجھ سے سرزد ہوئے ہیں۔ میں بیٹے خاطر اپنے ہادی اور مولا پہ اس لال کو قربان کرتی ہوں، اور کہہ دیتی ہوں کہ اب میرا تمھارا فیصلہ قیامت میں ہوگا۔"

کیا دنیا میں کوئی مذہب، کوئی ہادی، کوئی قوم، کوئی تاریخ ایسی یا اس جیسی ایک مثال بھی پیش کر سکتی ہے۔ دولت کی قربانیوں سے کارخانۂ حیات محروم نہیں، مگر کلیجے کے ٹکڑوں کی قربانیاں، جن سے چمنستان اسلام لہلہا رہا ہے عدیم النظیر ہیں۔

بی بی ام سلمہ کا اونٹ کھڑا ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے آگے بڑھ کر نکیل پکڑ لی، اور ان کو یہ کہہ کر دھکا دیا :-

"اونٹ ہمارے بھائی کی ملکیت ہے تجھ کو جہاں جانا ہو پیدل چلی جا"

عرب کا وہ ریتیلا میدان جس کی زمین آسمان کی طرح حد نگاہ تک چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ دریائی بھنور سے زیادہ خوفناک بگولے ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ آفتاب آگ برسا رہا ہے اور ریگ کے تودے فضائے آتشیں میں آفت برپا کر رہے ہیں۔ کوسوں شجر حجر انسان حیوان کسی کا پتہ نہیں۔

اس قیامت خیز ساعت میں ام سلمہ پا پیادہ بھوکی پیاسی چلی جا رہی ہے بیٹھتی ہے اٹھتی ہے چلتی ہے۔ گرتی ہے۔ توحید کی نورانی شمع اسکے دل میں روشن ہے اور زبان پر رسول ہاشمی کے نعرے لگا رہی ہے۔ رستہ کی طرح وہ دنیا کے تمام تعلقات بھول چکی بچے کی محبت اور شوہر کا خیال دونوں اسکے دل سے رخصت ہوئے آسمان و زمین اسکا تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ مگر منزل مقصود کے سوا اسکے سامنے کچھ نہیں، دن اور رات اسکے سامنے ایک ہیں اور ریت اور پہاڑ یکساں، پاؤں جل رہے ہیں اور جسم پکنا چور ہے۔ خوف و ہراس اور بھوک و پیاس دور ہو چکے۔ وہ اس کوشش میں منہمک اور اس خیال میں نہال ہے کہ موت سے قبل چہرۂ اقدس کی زیارت کرے۔

چشم فلک کی متحیر نگاہوں نے بالآخر دیکھ لیا کہ کس طرح قدرت مشکل کو آسان، محال کو ممکن اور پتھر کو پانی کر دیتی ہے۔ ریت کے تلاطم آگ کے طوفان سے نکل کر مردے کی صورت ام سلمہ مدینہ کی گلیوں میں پہونچی اور مسلمان اپنی بہن کے جذبۂ شوق و استقلال پر بآواز بلند چلا اٹھے۔

"مرحبا مرحبا مرحبا"

تاریخ اسلام ام المومنین بی بی سودہؓ کے ان الفاظ کو ہر وقت چمکا رہی ہے کہ وہ چونکہ عمر میں سرور دوجہاں سے بہت زیادہ تھیں، اس لئے فرمایا کہ :-
"میرے واسطے یہ عزت کچھ کم نہیں کہ قیامت تک مسلمانوں کی ماں بنوں۔"
اب ذی فہم حضرات فرمائیں کہ بی بی سلمہ کی ان خدمات کا معاوضہ اسلام کیا ادا کر سکتا ہے۔ فطرت نسوانی اس کے جواب میں ام المومنین بی بی سودہؓ کے الفاظ دہرائے گی۔ اور عقل سلیم آنکھیں بند کر کے اس دعوے سے اتفاق کرے گی کہ حضور اکرمؐ کا ہر نکاح اسلام کے واسطے تھا اور کسی نکاح میں نفسانیت شامل نہ تھی۔

ہم نے اس بحث کے شروع میں لکھا ہے کہ اگر بی بی خدیجہؓ سے نکاح نہ ہوتا تو کیا اسلام اس قدر آسانی سے ترقی کرتا؟! اب ہم دوبارہ سوال کرتے ہیں کہ کیا بی بی ام سلمہؓ کی خدمات کا معاوضہ جو نہ زیادہ حسین تھیں نہ کنواری، یہ نہ تھا کہ وہ ہماری ماں بنیں۔ اور ام المومنین کے لقب سے سرفراز ہوں؟

المختصر نکاح کا جو مقصد سمجھا جاتا ہے سرور عالمؐ کے نکاحوں میں اس کا کہیں وجود نہیں ہر نکاح صرف ترقی اسلام کے واسطے تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ ایسی حقیقت ہے جس سے ہر معقول پسند کو اتفاق کرنا پڑے گا۔
اب غیر مسلم حضرات کا ایک اعتراض اور باقی رہتا ہے، اور وہ اسلام کے تعدد ازدواج کا مسئلہ ہے۔

ہم نے اس کتاب میں کسی جگہ عرب کے اس تمدن کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی ہے جس میں چار بیویوں کی حد تھی۔ نہ ہزار کی نہ چار ہزار کی، ان لوگوں کو اگر ایک نکاح پر پابند کر دیا جاتا، تو رسول کیا اگر خدا بھی آکر کہتا تو یہ ہزار کوس دور بھاگتے۔ ضرورت یہ تھی کہ

"ہمہ مرگش گیر تا بہ تپ راضی شود"

چار کا تعین محض مصلحت تھی اسی واسطے اس کے ساتھ عدل حقیقی کی ایسی شرط تھی جو واجب التعمیل ہی نہ تھی۔ علاوہ ازیں یہ حکم نہ تھا صرف دل خوش کرنے کے واسطے ایک قسم کی اجازت تھی۔ مگر مسلمانوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسلام کو بدنام کر دیا۔ اس سلسلہ میں عام مسلمانوں کے ساتھ وہ گروہ بھی ہے جس کی زبان پر ہر وقت قرآن و حدیث کے نعرے ہیں اور جس نے اسلام کی بڑی خدمت یہی سمجھی ہے کہ تو دو دو تین تین بیویاں کرے، اور دوسروں کو جھوٹی حدیثوں کے جال میں پھنسائے اسلام کا دامن اس داغ سے قطعاً پاک ہے اور سرورِ عالم نے عورت کو جو عزت عطا فرمائی وہ دنیا کے کسی مذہب کو نصیب نہیں۔

خلقِ عام

جس صداقت نے دنیا میں ایسا تہلکہ مچا دیا کہ تخت و تاج کے مالک آستانۂ رسالت پر قدم بوس ہونا فخر سمجھنے لگے اس کا ادنیٰ ظہور یہ تھا کہ گرمی کے سخت موسم میں جب آسمان سے انگارے برستے معمولی بڑھیا دونوں جہان کے بادشاہ کو روک کر سڑک پر بیٹھ جاتی، گھنٹوں باتیں کرتی صحابہ جیں بجبیں ہوتے مگر حضور کی تیوری پر بل نہ آتا۔ بڑھیوں ٹھکرائے ہوؤں کا گروہ خدمت اقدس میں بیٹھ کر ادب سے اپنے حقوق مانگتا عاجزانہ لڑتا جھگڑتا۔ بچوں تک کا حق طلب کرتا۔ دیکھنے اور سننے والے جلتے اور بگڑتے مگر وہ نفس پاک خندہ پیشانی سے ان کی التجائیں پوری کرتا۔ غریب لاوارث اور مصیبت کی ماریاں روتی ہوئی آتیں اور ہنستی ہوئی جاتیں۔ شکایتیں لیکر گھستیں اور دعائیں دے

کر نکلتیں۔ دنیا اپنی اولاد و متعلقین کے واسطے ہزاروں اور لاکھوں کا اثاثہ چھوڑتی ہے۔ مگر سرورِ دو عالم کا وہ ایثار جو شجرِ رسالت کی بار آوری شاخوں میں بی بی خدیجہؓ کی دولت سے شروع ہوا۔ بنی نوعِ انسان کی ہمدردی کے احکامِ زکوٰۃ، اور خیرات و صداقت کا اعلان ہونے کے بعد اس فیصلہ پہ ختم ہوتا ہے۔

"اولادِ رسول پر یہ سب حرام ہے"

عورت کی حمایت

یہ وہ زمانہ ہے کہ عورت کے واسطے انصاف کا دروازہ بند ہے۔ دنیا کا ہر مذہب اس کو دھتکار چکا۔ وہ کسی جگہ لونڈی سے بدتر ہے۔ اور کہیں جانور سے۔ کنواری پہ باپ اور بیاہی ہوئی پر شوہر پوری طرح حکومت کر رہا ہے کہ دفعتاً اس ظلم انگیز فضا میں یہ الفاظ آمنہ کے لال کی زبان سے نکل کر سیاہ و تاریک فضا میں گونجتے ہیں۔

"عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں۔ اور ان کے ساتھ انسانیت کا سلوک کرو، شوہر کو مناسب نہیں کہ آپ عمدہ کھانا کھائے اور گھر والوں کو نہ دے۔"

"عورت کی عزت وہ کرتے ہیں جو شریف ہیں۔ اور انکی توہین پاجی کرتے ہیں"

"شوہر اپنی خوبصورتی پر فخر نہ کرے اور بیوی کی بدصورتی پر معترض نہ ہوگا۔"

قرآن مجید۔ "نیکی کرو اور برابر کے رفیق سے" یعنی بیوی سے۔

قرآن مجید۔ "اور وہ لے چکی ہیں تم سے عہد گاڑھا" یعنی نکاح سے پہلے، جو وعدے کئے گئے ہیں، انھیں یاد رکھو۔

"شوہر کا اپنے ہاتھ سے بیوی کو کھلانا، نیکی ہے" (بخاری و مسلم)

"جو شخص اپنے بیوی بچوں سے بھاگے وہ ایسا ہے۔ جیسے غلام اپنے آقا سے۔" (ابوداؤد و نسائی)

تمھارے ہاتھ جن کے مالک ہیں، ان کو ایسی تکلیف نہ دو۔ جو ان کی طاقت سے زیادہ ہو۔ عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، کہ تمھارے پاس قید ہیں، اور خدا کے عہد سے تم نے ان کو حاصل کیا۔

(نسائی و ابن ماجہ)

ایمان اس کا مکمل ہے جس کی عادت اچھی ہو، اور بیوی پر انتہائی مہربان ہو۔ (ترمذی و نسائی و حاکم)

"تم میں بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے ہے۔"

(ترمذی)

اَلوِدَاع

مسلمانو! رات کا بڑا حصہ ختم ہوا۔ آمنہ کے لال کی ولادت ہو چکی، راتیں بہت سی آئیں گی اور جائیں گی، مگر یہ باتیں کہاں۔ آج اس بزم میں وہ شمع روشن تھی، جس کو قرچہار دہم نے سجدہ کیا۔ یہاں اس وقت وہ سدا بہار پھول مہک رہا تھا، جس کو فرشتوں نے بوسے دیے اور جس کی مہکار پر لاتعداد بلبلوں کے ترانے زمین سے آسمان تک پہنچے۔ قربان ان خوش نصیب آنکھوں کے جنھوں نے اس جمال جہاں آرا کی زیارت کی۔ اور نثار ان مبارک صورتوں کے جنھوں نے محبوب رب العالمین کے جسم اطہر کو آغوش میں لیا۔ اب صحبت شب ختم ہوتی ہے۔ اور ذکر محبوب جس نے دل کے کنول کھلا دیئے۔ رخصت ہوتا ہے۔ مگر دل کا ارمان

رہی ہیں ہے۔ آنکھیں شوق دید کے لئے تڑپ رہی ہیں، اور قلب اپنی آرزو
کو دبائے بلبلا رہا ہے۔ محسن حقیقی جو جانوروں کو انسان بنا گیا۔ سچا ہادی
جس نے غفلت کے پردے اٹھا کر محبوب حقیقی تک پہنچنے کا صحیح راستہ بتایا
اچھا پیغمبر جو دنیا کی دوزخ کو جنت بنا گیا۔ کہاں ہے۔
طیبہ کی خاک محبت کی آنکھ کا سرمہ بن! اور اس جلوہ کی جس نے دنیا کو
جگمگا دیا۔ ایک جھلک دکھا دے! قربان ایک دفعہ نہیں ہزار بار یہ جان
بزم مولود کے اس مہمان پر جو عالم تخیل میں رو رہا تھا اور یثرب کی گود میں
محو خواب ہے۔ مسافر قلم نے پوری رات چمنستان اسلام کی گل چینی میں بسر
کی دماغ ایسی خوشبو سے معطر رہا جو مرتے دم تک باقی رہے گی، اور آنکھوں
نے ایسی بہار دیکھی جس کا لطف تا دم واپسیں موجود رہے گا۔ اچھا یہ سماں ختم
ہوتا ہے اور خیال محبوب کی وداع کا وقت ہے۔ زندہ رہا ہیں ابھی زندگی
کے اچھے اور برے بہت سے تماشے دیکھیں گی۔ لیکن مبارک ہوگا وہ
وقت جب مزار اقدس نگاہ کے سامنے ہوگا، اور آنکھیں اس ڈھیر پہ
قربان ہوں گی، جو دونوں جہان کے بادشاہ کی آرام گاہ ہے +

ختم شد

شیر دل خاتون یعنی دورِ فاروقی کا سچا تاریخی افسانہ

یہ وہ تاریخی ناول ہے جس کی ہندوستان و پاکستان میں دھوم ہے

شہید ملت مولانا محمد مظہر الدین ؒ کی وہ تڑپا دینے والی تصنیف ہے جو شخص ایک حصہ پڑھ لیتا ہے دوسرے کیلئے بے چین ہو جاتا ہے حضرت فاروق اعظم ؓ کے زمانہ کے دلچسپ حالات۔ فتوحات اسلامی کی حیرت انگیز ترقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی سرفروشانہ جدوجہد کا نظارہ اور عشق و محبت کی سچی داستان پڑھنے کا شوق ہو تو اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ یہ مسلم خواتین کے لئے درس حیات ہے۔ سیف الاسلام حضرت خالد ؓ اور سفارتی حضرت ابو عبیدہ ؓ نیز ایک فاتح حضرت خولہ اور بہادر جنگی سوار کے معرکے بھی روح پھونک دیتے ہیں، تو دوسری طرف شہزادی جوزیفائن کے حسن و عشق کی سچی داستان دلوں پر چھا جاتی ہے۔ قیمت مکمل ساڑھے چھ روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

فتح ہند کی ملکہ یا سندھ کی راجکماری

شہید ملت مولانا مظہر الدین ؒ کی تصنیف ہے۔ وہ دلچسپ تاریخی ناول ہے جس کا انتظار بے تابی سے اس طرح کیا جاتا تھا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے جہاں مسلمانوں کو تابعین و تبع تابعین کے جنگی کارنامے اور سترہ سالہ نوجوان محمد بن قاسم کی حیرت انگیز شجاعت سے درس حیات حاصل ہوگا وہاں بہت سی وہ غلط فہمیاں بھی دور ہو جائیں گی جو مسلمان فاتحین کے متعلق ہیں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے جذبہ اسلامی تازہ ہو جاتا ہے۔ قیمت مکمل سات روپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

حسین پربتال یا گجرات کی حسینہ

یہ ایک سچا تاریخی افسانہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ گجرات کی شہرہ آفاق حسینہ کی شہزادی سے شادی کس طرح ہوئی اور سلطان فیروز شاہ بہمنی کے جنگی معرکے درج ہیں، اس کو پڑھ کر اسلامی اخلاق کی کشش دلوں میں گدگدیاں پیدا کرتی ہے، وہاں تہذیب کے خیالات کا فوٹو آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنے (۸) علاوہ محصول ڈاک۔